تاریخ پورہ معروف اور شیعہ علماء واکابر

فیضان جعفر علی

تاریخ پورہ معروف اور شیعہ علماء واکابر

فیضان جعفر علی

History of Pura Maroof and Shia Scholars (Ulama)

by

Faizan Jafar Ali

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
www.ephbooks.com

978-93-5073-856-6

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخ پورہ معروف اور شیعہ علماء واکابر

مؤلف

فیضان جعفر علی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : تاریخ پورہ معروف اور شیعہ علماء واکابر

مولف : فیضان جعفر علی

ناشر : فیضان جعفر علی، محلہ حسین آباد پورہ معروف کرتھی جعفر پور، ضلع مئو
یوپی، انڈیا

اشاعت : ۲۰۱۶ء

تعداد : ۳۰۰

کمپوزنگ : وصی اختر معروفی، کاظم مہدی معروفی

قیمت : ۱۵۰روپیہ

مطبع :

ملنے کے پتے

۱۔معروف اسلامک ریسرچ سینٹر پورہ معروف، کرتھی جعفر پور، ضلع مئو، یوپی

۲۔مدرسہ عقیلیۂ بنی ہاشم، مصاحب گنج لکھنؤ۔

۳۔مرکز معارف اسلامی ہند، قم، ایران

انتساب

ان علماء و دانشوروں کے نام جنہوں نے دین اسلام کا پیغام پہونچانے میں مشکلات اور مشقتوں کا سامنا کرتے ہوئے راہ حق میں اپنی جان بھی قربان کر دی۔

اور

ان علماء اور مفکرین اسلام کے نام جو آج بھی دنیا کے مختلف گوشوں میں دینی خدمات کی انجام دہی میں سرگرم عمل ہیں۔

فہرست مطالب

تقاریظ ۹
مقدمہ ۱۴

پہلا باب

ہندوستان میں اسلام کے ورود اور شمالی ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کا مختصر جائزہ

۱۔ہندوستان میں اسلام کا ورود ۱۹
۲۔شمالی ہندوستان میں اسلام کی اشاعت ۲۰
۳۔مشرقی اتر پردیش ۲۵
۴۔پورب کا علاقہ اور شیعیت ۳۱

دوسرا باب: مشرقی یوپی اور دیار پورہ معروف

۱۔مشرقی یوپی میں پورہ معروف کی حیثیت ۳۷
۲۔جغرافیہ ۴۴
الف: آبادی ۴۹
ب: موسم (آب وہوا) ۵۱
ج: صنعت ۵۳
د: مذہبی رجحانات ۵۳
۳۔پورہ معروف تاریخ کے آئینہ میں ۵۴
آثار قدیمہ ۵۶
۴۔پورہ معروف اور شیعہ مذہب ۶۶
الف: شیعہ مساجد اور روضۂ امام حسین علیہ السلام ۶۹
ب: امامبارگاہیں ۷۵
ج: شیعہ مدارس ۷۹

د: عزاداری و جلوس ۸۲
ھ: غم و خوشی کی تقریبات ۸۸

تیسرا باب: شیعہ علماء و اکابر

مولانا غلام رسول مرحوم ۹۶
حکیم تفضّل حسین مرحوم ۹۷
مولانا غلام صابر مرحوم ۹۹
مولانا تفضّل مہدی مرحوم صدرالافاضل ۹۹
شاعر اہلبیت غضنفر علی ''انجم معروفی'' ۱۰۷
مولانا مکرم عباس مرحوم ۱۰۸
جناب اقبال مہدی ''عزمی معروفی'' ۱۰۹
مولانا محمد مظہر حسین، صدرالافاضل ۱۱۰
مولانا ارشاد حسین، ممتازالافاضل ۱۱۱
مولانا خیرات الحسنین ۱۱۵
مولانا اختر حسنین ۱۱۸
مولانا مظفر محسن ۱۱۹
مولانا محمد حسن معروفی ۱۲۰
مولانا دلبر حسنین ۱۲۵
مولانا مظفر نقی ۱۲۶
مولانا ڈاکٹر خورشید انور ۱۲۷
مولانا محمد نقی ۱۲۹
مولانا منظر حسین صدرالافاضل ۱۳۰
مولانا قائم رضا ۱۳۱
مولانا گوہر علی ۱۳۲

مولا ناغلام حسنین، صدرالافاضل ۱۳۳
مولا ناشبیرحسن زینبی ۱۳۳
مولا ناغضنفرنواب،صدرالافاضل ۱۳۴
مولا ناکلب حسن ۱۳۶
مولا ناشبیہ الحسن ۱۳۷
مولا ناافتخارحسین مظہرمعروفی ۱۳۸
مولا ناوزیرحسن زینبی ۱۳۸
مولا نارضوان عباس معروفی ۱۳۹
مولا ناڈاکٹرذیشان حیدر ممتازالافاضل ۱۴۰
مولا ناکلیم اصغر ۱۴۲
مولا نااخترحسن ۱۴۳
مولا ناشمیم رضا ۱۴۴
مولا ناضیغم علی ۱۴۵
مولا نامحمدعلی عرف محرم علی ۱۴۵
مولا نامحمدرضا ۱۴۶
مولا ناتسخیرحسین ۱۴۷
مولا نامحمدمعظم جاویدحیدری ۱۴۸
مولا نامحمدمہدی معروفی ۱۵۱
مولا نامحمداسلم معروفی ۱۵۱
مولا ناعقیل عباس معروفی ۱۵۳
مولا نامجتبیٰ حیدر ۱۵۴
مولا نامحمدوصی اختر ۱۵۵
مولا ناشمیم حیدر ۱۵۶

مولانا افتخار حسن ۱۵۶
مولانا محمد ظفر حسین ۱۵۷
مولانا نفیس اختر ۱۵۸
مولانا میثم علی ۱۵۹
مولانا نعیم اکبر مرحوم ۱۶۰
مولانا محمد منیر اعظم مرحوم ۱۶۱
مولانا قنبر رضا ۱۶۲
مولانا فیضان عباس ۱۶۲
مولانا مظاہر انور ۱۶۳
مولانا محمد رضا ۱۶۴
مولانا عرفان رضا ۱۶۵
مولانا فیضان حیدر ۱۶۶
مولانا محمد علی (راجو) ۱۶۸
مولانا محمد کاظم ۱۷۰
مولانا محمد کاظم ۱۷۰
مولانا ظفر عباس ۱۷۱
قاری وحافظ مولانا علی حمزہ ۱۷۲
مولانا محمد رضی ''خنداں معروفی'' ۱۷۳
مولانا محمد کاظم مہدی ۱۷۴
مولانا آزاد علی ۱۷۵
مولانا محمد مسلم ۱۷۶
مولانا حسن اختر ۱۷۶
مولانا محمد عباس ''امیر حیدر'' ۱۷۶

مولانا حسن حیدر ۱۷۷
مولانا جون محمد ۱۷۸
مولانا محمد عیسیٰ ۱۷۸
مولوی محمد مومن علی مرحوم ۱۷۹
کچھ اپنے بارے میں ۱۸۱
پورہ معروف کے طلاب کرام ۱۸۵
توضیحاتِ اعلام ۱۸۸
کتابیات ۱۹۲
۱۔ کتابیں ۱۹۲
۲۔ مضامین، مجلّات و کتابچے ۱۹۵

تقاریظ

تقریظ از مولانا ارشاد حسین معروفی
(سابق استاد مدرسہ باب العلم، مبارکپور)

زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا

تاریخ نویسی اور تذکرہ نگاری ہمیشہ سے ایک دلچسپ موضوع اور کتب تاریخ کا مطالعہ ایک پسندیدہ مشغلہ رہا ہے۔ اسلاف کے کارنامے، اخلاف کے لیے ذریعہ عبرت، نمونہ عمل اور ان کی زندگی میں ترقی کے ضامن ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زندہ قومیں نہ صرف اپنے بزرگوں کا تذکرہ کرتی ہیں بلکہ ان کی یادگار قائم کرنے کی ہر ممکن سعی کرتی ہیں۔ ہمارے آباء و اجداد نے جو یادگاریں صدیوں پہلے قائم کی تھیں بدقسمتی سے ہمیں ان کی تاریخ قدامت کا کوئی علم نہیں ہے لیکن بزرگوں سے جو باتیں نسلاً بعد نسل نقل ہوتی آئی ہیں انہیں صفحہ قرطاس پر رقم کرنا اس لیے ضروری ہے تاکہ قیاس و ظن کے ذریعہ ان کی قدامت کی تاریخ کا کوئی سراغ مل سکے۔

مولانا تفضّل مہدی مرحوم نے اس کام کی طرف توجہ دی لیکن ان کی زندگی نے ساتھ نہیں دیا اور اب ان کے فرزند ارجمند مولوی فیضان جعفر علی نے گوہر فردا کی تلاش میں دریائے امروز میں شناوری کی ہے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں کامیابی عطا کرے اور علامہ اقبال کے اس شعر کا مصداق قرار دے۔

وہی ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا

زیر نظر تالیف پورہ معروف کی تاریخ اور جغرافیہ کی معلومات کا دلچسپ ذخیرہ اور فکر وفن کا حسین نمونہ ہے۔ محترم مولف نے بڑی کدوکاوش کے ساتھ چمنستان پورہ معروف سے دلکش پھولوں کو چن کر قارئین کے

سامنے ایک حسین گلدستہ کا نذرانہ پیش کیا ہے ساتھ ہی آثار کی تصاویر بھی فراہم کی ہیں۔ خدا کرے قلمی خدمت کا یہ چشمہ جاری ہے کبھی خشک نہ ہو اور تاریخ نویسی کا یہ جذبہ صادق کسی منزل پہ نہ تھمے تا کہ تشنگان علم تاریخ ہمیشہ ان کی تخلیقات سے سیراب ہوتے رہیں اور مولف کی ذات مستقبل میں ایک عظیم مورخ کی حیثیت سے ابھر کر دنیا کے سامنے آئے۔

آمین

(مولانا) ارشاد حسین معروفی

تقریظ از مولانا محمد حسن معروفی
(مقیم لندن)

فکر فردا

ہر انسان کا سلسلہ اپنے ماضی سے جڑا ہوتا ہے اس لیے جو لوگ اپنی قوم، نسل، وطن، خاندان اور علماء و مفکرین کی تواریخ، سوانح حیات، سلسلہ انساب اور ان کی کارکردگیوں کو یادوں کے انبار سے نکال کر صفحات قرطاس پر منتقل کر دیتے ہیں وہ خود اپنی اور اپنی قوم و نسل، سماج و معاشرہ اور اہم شخصیات کی عمریں جہاں صدیوں میں تبدیل کر دیتے ہیں، وہیں صدیوں تک آنے والی نسلوں کے لیے یادوں کے اندھیروں میں اجالے اور ماضی کے مزاروں پر معلومات کے چراغ روشن کر دیتے ہیں۔

بکھرے اوراق میں منتشر معلومات، قبروں کے پتھروں پر کندہ تحریریں اور حکمرانوں کے محلوں کی در و دیوار کے نقوش بھی خاموش زبان ہوتے ہیں اسی لیے حکم ہے کہ ''سیروا فی الارض'' ایک جگہ بیٹھے رہنے کے بجائے دنیا کی سیر و سیاحت کرو اور اپنی معلومات میں اضافہ کر کے باقی زندگی کے لیے عزت حاصل کرو، لیکن دنیا میں صدیوں سے آباد ایسی ان گنت بستیاں بھی موجود ہیں جہاں مساجد، امامبارگاہیں، یا مدارس قدیم الایام سے موجود ہیں لیکن ان کی مرمت یا تعمیر نو کب ہوئی، کس زمانے میں اور کس کی کد و کاوش سے کام سرانجام پایا، کوئی مرتب معلومات نہیں ہے۔

کسی بھی بستی یا آبادی میں تدین و متدینین پائے جاتے ہوں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کسی عالم ربانی یا بندہ الٰہی کی مخلصانہ کد و کاوش کا فیض اور اثر ہے۔ یقینا پورہ معروف ایسی ہی قدیم بستیوں میں سے ایک آبادی ہے جہاں مختلف مسالک و مذاہب سے وابستہ لوگ آباد ہیں اور سبھی اپنے مذہبی و مسلکی جذبات سے سرشار ہیں۔ مذہب جعفری کے پیروکاروں کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے اور اس وقت تقریبا ہر گھر میں

ایک عالم دین موجود ہیں بلکہ اکثر گھروں میں ایک سے زیادہ ہیں جو ملک کے مختلف حصوں میں یا دنیا کے مختلف ممالک میں دینی خدمات کی انجام دہی میں مصروف ہیں اور ادھر تین چار دہائیوں میں دینی طلبہ و طالبات کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا ہے جو ملک کے اہم مدارس میں یا مشہد مقدس، قم مقدسہ یا نجف اشرف میں مشغول تحصیل ہیں۔

لیکن ابھی تک کسی نے منظم طریقہ سے فکر فردا کا عملی مظاہرہ نہیں کیا کہ وطن کی مختصر تاریخ اور علمائے کرام کے تذکرے جمع کر دیئے جائیں، ہمارے خویش مولانا تفضّل مہدی مرحوم اعلی اللہ مقامہ نے اس طرف توجہ کی تھی مگر زندگی نے وفا نہ کی اور اب انہیں کے فرزند میرے بھانجے مولوی فیضان جعفر علی نے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا ہے ان کی یہ فکر فردا خود ان کی اور دوسروں کی بھی بقا اور شناخت کا ذریعہ ثابت ہوگی۔

اللہ ان کے قلم کو اتنی طاقت عطا کرے کہ مسلسل قلمی کام سامنے آتے رہیں۔

(مولانا) محمد حسن معروفی

مقدمہ

ہندوستان میں اسلام کے ورود کے بعد صدیوں تک مسلمانوں نے یہاں حکومت کی جس کے سبب رفتہ رفتہ مسلمان ہندوستان کے مختلف گوشہ وکنار میں پھیل گئے اور اسلام کا پیغام بھی ہندوستان کے کونے کونے میں پہونچتا گیا۔ مسلمان بادشاہوں اور حاکموں نے اپنے مختلف دور حکومت میں تعلیم اور مذہبی امور کی انجام دہی کے لئے مساجد، مدارس اور مراکز تاسیس کیے جہاں علماء وفضلاء حضرات دینی امور کی انجام دہی میں مشغول رہتے اور اس طرح اسلام کے پیغام پہونچارہے تھے۔ وہیں شعراء وادباء بھی اپنی شاعری کی دنیا میں مگن، شاعری کی ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کرنے میں مشغول، اپنے ادیبانہ کلام کے پیرایے میں دین ودنیا وغیرہ کی باتیں کرتے اور دوسری جانب صوفیائے کرام بھی اپنی اپنی خانقاہوں میں جہاں اللہ کی عبادت وریاضت میں مصروف رہتے وہیں لوگوں کو اسلام اور اولیائے اسلام کی باتیں بھی بتایا کرتے تھے۔ اسی طرح سال گذرتے گئے، صدیاں گذرتی گئیں اور انسانی تاریخ کا کارواں بھی اپنی پوری آب و تاب اور تہذیب وتمدن کے ساتھ آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ مورخین نے بادشاہوں کے دور حکومت میں رونما ہونے والے واقعات وحوادث کو قلمبند کرنا شروع کیا، علماء نے اسلامی علوم کے موضوعات پر کتابیں تالیف وتصنیف کیں اور کچھ لوگ تذکرہ نویسی کی طرف متوجہ ہوئے، تو کچھ شعری دیوانوں کو مرتب کرنے کی طرف، اس طرح مختلف ادوار کے دانشور، علما وادباء، شعراء وصوفیا نے گذشتہ ثقافتوں کو محفوظ کرنے کا کام انجام دیا ہے، غرض ہر علمی میدان کے دانشوروں نے اپنی اپنی دلچسپی کے موضوعات کو جہاں تک ہوسکا اسے کتابوں کی شکل دی اور تقریبا ان سبھی حضرات کا مقصد اور ہدف ایک ہی تھا کہ آنی والی نسلیں ہمارے علمی وقلمی کارناموں کے ذریعہ ہمیں اور ہماری گذشتہ ثقافتوں کو ہمیشہ یاد اور زندہ وجاوید رکھیں گی اور گذشتہ نسلوں کے کارناموں اور خدمات سے عبرت حاصل کریں گی۔

لہذا ہندوستان میں اسلام آنے کے بعد مورخین نے بہت سی تاریخی کتابیں تحریر کیں جس میں بادشاہوں کی فتوحات اوران کے دورحکومت کے حوادث و واقعات کو بیان کیا ہے۔جن میں تاج المآثر، طبقات ناصری، تاریخ فیروزشاہی، طبقات اکبری، فتوح السلاطین، عالمگیرنامہ، چچنامہ، تاریخ سند، تاریخ گولکنڈہ، تاریخ فرشہ وغیرہ جیسی تاریخی کتابوں کے نام لئے جاسکتے ہیں۔اسی طرح دانشوروں نے علماء و شعراء کے علمی اور تخلیقی کارناموں کو جاویداں بنانے کے لئے تذکرے لکھنا شروع کیے جن میں تذکرۃ الاولیاء، تذکرۃ العلماء، گلشن بے خار، نکات الشعراء، طبقات الشعراء، تذکرہ علمائے ہند، تذکرہ علمائے مبارکپور، دیار پورب میں علم اور علماء، مشاہیر کوپاگنج اور خورشید خاور یعنی تذکرہ علمائے ہندو پاک وغیرہ جیسی کتابوں کے نام قابل ذکر ہیں۔

انہیں اغراض ومقاصد کے تحت ہم نے بھی زیرنظر کتاب میں پورہ معروف کی تاریخ کے ساتھ ساتھ شیعہ علماء واکابر کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھا تاکہ آنے والی نسلیں یہاں کے شیعہ علماء واکابر کے دینی اور ثقافتی خدمات اور کارناموں سے مطلع ہوسکیں۔کتاب کے مطالب کوعلمی اور تحقیقی بنانے کے لئے ہم نے سب سے پہلے شمالی ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے ورود کی اجمالی تاریخ بیان کی ہے اور پھرشمالی ہندوستان کے مشرقی علاقہ جات کا جائزہ لیتے ہوئے کوشش کی ہے کہ پورب کے تمام علاقوں کے تناظر میں پورہ معروف کی علمی حیثیت کو واضح کیا جائے اور آخر میں پورہ معروف کی اجتماعی تاریخ اور شیعیت کی تاریخ وثقافت اور شیعہ علماء واکابر کے علمی، سماجی، دینی اور ثقافتی خدمات اور کارناموں کو بیان کیا گیا ہے۔

کسی بھی تحقیقی کام کوانجام دینے کے لیے منابع ومصادر کی ضرورت ہوتی ہے، اگرتحقیق کا موضوع ایسا ہوجس پرتحقیقی کام برابرہوتا آرہو تو محقق کو کسی طرح کی مشکلات درپیش نہیں ہوتیں لیکن اگرموضوع نیا ہو اور اس پر پہلی مرتبہ کام کیا جارہا ہوتو محقق کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن میں سب سے اہم اطلاعات اورمعلومات کی فراہمی اوراسے نظم ونسق دینا ہے۔

چونکہ زیرنظر کتاب میں پورہ معروف اور شیعیت کی تاریخ اور وہاں پرموجود آثارقدیمہ اورشیعوں کے موجودہ مذہبی اورعلمی مقامات کی تاریخ اور علماء کا تذکرہ کرنا مقصود تھا لہذا یہ نیا موضوع اور پہلا تحقیقی کا

تھا۔اس لیے ہم نے اپنے اس تحقیقی مراحل میں میں دوطرح کے آخذ ومصادر سے استفادہ کیا ہے۔

پہلے مصادر میں کتابیں شامل ہیں جن میں مولانا محمد عثمان معروفی کی کتابیں ''حیات طاہر''،''تذکرہ مشاہیر پورہ معروف''، اورمولانا قاضی اطہر مبارکپوری کی کتابیں ''دیار پورب میں علم اور علماء''، تذکرہ علمائے مبارکپور'' اہمیت کی حامل رہی ہیں۔ان کے علاوہ بہت سی دیگر کتابوں سے حسب ضرورت مطالب اخذ کیے گئے ہیں۔

دوسرے مصادر میں مذہبی مقامات کا مشاہدہ اور بزرگوں سے لی گئی زبانی معلومات واطلاعات شامل ہیں۔ساتھ ہی ساتھ کچھ ایسی چیزوں کو بیان کرنے کی کوشش ہے جو شاید قارئین کے لئے مفید ثابت ہوں:

۱۔کتاب کے آخر میں ہم نے، کتاب میں بیان کیے گئے مدارس اور مراکز یا اسناد اور سرٹیفکیٹ کا وضاحتی اشاریہ پیش کردیا ہے تاکہ مفاہیم کو درک کرنے میں قارئین کو کوئی دقت نہ ہو۔

۲۔کتاب میں ذکر شدہ باحیات عالم دین یا طالب علم کا تذکرہ، خود انہیں سے دریافت کی گئی معلومات ہے جسے ہم نے اپنے لفظوں میں بیان کرنی کی کوشش کی ہے۔

۳۔بعض حضرات کا صرف نام لکھنے پر اکتفا کیا گیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے انہیں مطلع کیا تھا لیکن انہوں نے کوئی توجہ نہ دیتے ہوئے اپنے بارے میں معلومات فراہم نہیں کی جس کے سبب مجبورا ان حضرات کے محض نام ہی پر اکتفا کردیا ہے۔ بہرحال ہم ان حضرات سے معذرت خواہ ہیں۔ انشاءاللہ دوسرے ایڈیشن میں معلومات کی فراہمی کی صورت میں اضافہ کردیا جائے گا۔

۴۔کتاب میں تحریر شدہ تاریخی وسماجی باتیں بزرگوں اور اس تاریخی عمارت یا جگہ سے متعلقہ افراد سے پوچھنے کے بعد ہی تحریر کی گئی ہیں لہذا اگر کسی تاریخی گوشے کو تحریر کرنے میں کوئی کمی رہ گئی ہو تو مطلع افراد، ان کمیوں کی طرف متوجہ کرکے ہمیں شکریہ کا موقع فراہم کریں۔

کتاب کے مطالب کو اکٹھا کرنے میں جن حضرات نے بھی مدد کی ہے ان تمامی حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور اسی طرح اس کتاب کی اشاعت کو یقینی بنانے میں ہمارے جن احباب کی محبت اور

خلوص نے کلیدی کردار ادا کیا ہے ان حضرات کا بھی شکر گذار ہوں، خاص طور پر جناب محمد رضی سلمہ، جناب محمد عیسی سلمہٗ، جناب فیضان عباس، جناب ظفر حسین، جناب وصی اختر اور اپنے عزیز دوستوں ڈاکٹر محمد جعفر اور جناب فیضان حیدر اور اسی طرح مولانا ارشاد حسین معروفی اور مولانا محمد حسن معروفی کا بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس کتاب کو پڑھا اور اپنے قیمتی کلمات کے ذریعہ اس کتاب کو مزین کیا۔

فیضان جعفر علی

۱۴۳۷ھ/۲۰۱۶ء

پہلا باب

ہندوستان میں اسلام کے ورود اور شمالی ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کا مختصر جائزہ

ا۔ ہندوستان میں اسلام کا ورود

ہندوستان کی سرزمین پر مسلمانوں کے حملے کا آغاز ۶۵۰ء سے ہوتا ہے یہ وہی سنہ ہے جب عربوں نے فارس پر حملہ کیا تھا اس موقع پر عربوں کے جہازوں نے بمبئی اور سندھ کے ساحلی علاقوں پر چھاپے مارے تھے۔ نصف صدی کے بعد ۷۱۱ء میں پہلا منظم اسلامی حملہ سندھ پر ہوا اور عربوں نے محمد ابن قاسم کی قیادت میں سارے نچلے سندھ پر قبضہ کرلیا اس حملے کے بعد ڈھائی سو سال تک ہندوستان مسلمانوں کے حملوں سے محفوظ رہا۔

دسویں صدی کے نصف میں غزنی کے ترکوں نے از سرنو ہندوستان پر مسلسل حملے شروع کیے اور محمود غزنوی نے (۹۹۷-۱۰۳۰ء) ہندوستان پر مسلسل سترہ حملے کیے لیکن اس نے اس ملک پر اپنی حکومت قائم نہ کی۔ محمود غزنوی کے بعد محمد غوری نے ہندوستان کی تسخیر کا منصوبہ بنایا اور مکمل کامیابی حاصل کی اور اس ملک میں مسلمانوں کی حکومت قائم کی۔ محمد غوری کے بعد قطب الدین ایبک نے غلام خاندان کی حکومت قائم کی اور دہلی کو دار السلطنت بنایا۔ غلام خاندان نے چوراسی سال ۱۲۰۶-۱۲۹۰ء تک، حکومت کی اور وسط ہندوستان تک انہوں نے اپنی حکومت کے حدود بڑھائے[۱]۔ اس کے بعد ایک کے بعد دوسرے مسلم حکام حکومت کرتے رہے، ساتھ ہی ساتھ ان کے پیچھے علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کے قافلے بھی آتے رہے جن کی ابتدائی منزلیں سندھ، قیقان، بھکّر، قندابیل، قصدار، بوقان، منصورہ، ملتان، لاہور تھیں۔ پھر یہ قافلہ وہاں سے ہوتا ہوا دہلی پہونچا اور دیکھتے ہی دیکھتے علم وعلما کے قافلے ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیل گئے۔

۱۔ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر، ڈاکٹر محمد عمر، ص ۷۷، شائع کردہ؛ ڈائرکٹر پبلی کیشنز ڈویشن، وزارت اطلاعات ونشریات حکومت ہند، پٹیالہ ہاوس، نئی دہلی ۱۹۷۵ء۔ البتہ اس بارے میں تفصیلات جاننے کے لیے ہندوستان میں مسلمانوں کے ورود کے بارے میں لکھی جانے والی کتابوں کی طرف رجوع کرسکتے ہیں۔

۲۔ شمالی ہندوستان میں اسلام کی اشاعت

ہندوستان پر مسلسل حملوں نے فتوحات اسلام کے راستے کھول دیئے اور اسی کے سبب ہندوستان کے شمالی علاقے بھی اسلام اور مسلمانوں سے آشنا ہوئے۔ لیکن ۵۴۷ھ/ ۱۱۵۲ء کے بعد باقاعدہ ان علاقوں میں مسلمانوں کا عمل دخل ہوا اور پھر قطب الدین ایبک کے ایک فوجی افسر نے ۵۹۳ھ میں اودھ کا پورا علاقہ حاصل کر کے دلی کے ماتحت کرلیا جس کے بعد سے یہاں راج بھر قوم کا دور اقتدار ختم ہوگیا اور یہ علاقے مسلمانوں کے زیر تصرف آ گئے[۱]۔ اسلامی فوجیں جہاں بھی گئیں ان علاقوں میں مسلم تاجروں نے سکونت اختیار کرلی اور ان کے پیچھے پیچھے صوفیائے کرام بھی وہاں پہنچے، انہیں مہاجرین صوفیا میں دسویں صدی عیسوی میں منصور الحان نے سمندری راستے سے ہندوستان کا سفر کیا اور میدانی راستے سے شمالی ہندوستان اور ترکستان ہوتے ہوئے اپنے وطن پہونچے، گیارہویں صدی میں بابا ریحان، بغداد سے درویشوں کے ایک گروہ کو ہمراہ لیکر بروچ پہونچے۔

۱۰۶۷ء میں شیعی بوہرا فرقہ کے مقتدی نے یمن سے آ کر گجرات میں سکونت اختیار کی اور نورالدین یا نور ستگیر نے وہاں کے کوریوں کو مسلمان بنایا۔ اور محمود غزنوی کے حملوں کے بعد بڑی تعداد میں اہل علم و فضل بزرگ، علماء و افاضل اور صوفیاء نے اسلامی ممالک سے ہندوستان کا رخ کیا ہے ان بزرگوں کی طویل فہرست پیش کرنے کی گنجایش نہیں ہے لیکن ان میں سے بعض اہم اشخاص کا مجملا ذکر کرنا ضروری ہے جن میں سب سے زیادہ مشہور شیخ علی بن عثمان ہجویری تھے جو ''داتا گنج بخش'' کے نام سے شہرت رکھتے ہیں، انہوں نے لاہور میں سکونت اختیار کی اور پنجاب میں اسلام کی اشاعت کی پوری جدوجہد کی۔

گیارہویں صدی کے اوائل میں شیخ اسماعیل بخاری اور بارہویں صدی میں فریدالدین عطار، خواجہ معین الدین چشتی ہندوستان وارد ہوئے۔ تیرہویں صدی میں شیخ جلال الدین تبریزی جو شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے، بنگال کے علاقہ میں پہونچے، سید جلال الدین بخاری نے اوچھ میں اور بابا فرید گنج

---

[۱] مضمون تاریخ اعظم گڑھ، قاضی اطہر مبارکپوری، مجلہ البلاغ، بمبئی مارچ اپریل مئی جون ۱۹۶۶ء/ ۱۳۸۶ھ۔

شکر نے پاک بٹن میں سکونت اختیار کر کے تبلیغ اسلام کا کام انجام دیا۔

ان بزرگوں کے علاوہ بہاء الدین زکریا ملتانی، قطب الدین بختیار کا کی، شیخ نظام الدین اولیا، جلال الدین سرخ پوش، محمد غوث اور سید شاہ میر کے نام قابل ذکر ہیں[1] جنہوں نے شمالی ہندوستان میں دین کی اشاعت کی اور اس طرح شمالی ہندوستان میں مسلمان پھیلتے گئے اور انہوں نے مختلف علاقوں میں علمی مراکز بھی قائم کئے یہاں تک کہ شمالی ہندوستان کے تقریبا ہر گاوں میں چھوٹے چھوٹے مدرسے ہوتے تھے جن میں گاوں کے سب بچوں کو بلا امتیاز ذات پات اور مذہب وملت کے پڑھنا لکھنا اور حساب سکھایا جاتا تھا اور اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر میں سیلا پور، بنگال میں ایسے بہت سے چھوٹے چھوٹے ادارے تھے جہاں ہندو اور مسلمان دونوں عربی تعلیم حاصل کرتے تھے[2]۔ میکس مولر نے سرکاری دستاویزات کے حوالے سے اور بنگال میں تعلیم پر ایک عیسائی مشنری کی رپورٹ کی بنیاد پر لکھا ہے کہ اس وقت بنگال میں تقریبا ۸۰۰۰۰ ایسے مدرسے تھے، یعنی ہر ۴۰۰ کی آبادی پر ایک مدرسہ تھا[3]۔

مذکورہ اطلاعات سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کے آنے کے بعد کتنے منظم طریقہ سے علم وتعلیم کے کارواں کو آگے بڑھایا گیا جس کے سبب مسلمانوں کی آبادی میں بھی اضافہ

---

[1]۔ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر، ص ۷۸-۷۹

[2]. Education in Muslim India: by, S.M.Jaffar, page. 149,published by, idarah I adbiyat I dehli, 2009

[3]۔ ایضا، ص ۱۵۰

ہوتا گیا اور علماء کی تعداد بھی بڑھتی گئی[1]۔ حتیٰ اسکولوں میں مسلمان طلبہ کی تعداد سب سے زیادہ رہا کرتی تھی مدارس اور اسکولوں کی مدرسی تو گویا مسلمانوں ہی کے لیے مخصوص تھی اور پھر ہمسایہ قوموں کو مسلمانوں کی درسی قابلیت اور تعلیمی لیاقت پر اس درجہ بھروسہ تھا کہ ہندو اپنے بچوں کو مسلمانوں کے پاس تعلیم کے لیے بھیجتے تھے اور مسلمان بھی انہیں اپنے ہی بچوں کی طرح پڑھاتے تھے۔

۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی تک مسلمانوں کی تعلیمی ترقیوں کا یہی حال رہا اور باہمی اعتماد کی کیفیت بھی اسی طرح باقی رہی جس کا اعتراف ہنری ہیرنگٹن طامس اپنی کتاب ''بغاوت ہند اور ہماری آیندہ پالیسی'' میں ذیل کے الفاظ میں کرتا ہے کہ: ''عزم، تعلیم اور ذہنی صلاحیت کے اعتبار سے مسلمان ہندوں سے کہیں زیادہ فائق ہیں نسبتا ہندوان کے سامنے طفل مکتب معلوم ہوتے ہیں علاوہ اس کے مسلمانوں میں کارگذاری کی اہلیت زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے سرکاری ملازمتیں زیادہ تر انہیں کو ملتی ہیں''[2]۔ لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں نے کچھ ایسی گھناونی سازشیں چلیں جس کی وجہ سے ۲۵ سالوں کے اندر ہندو مسلم باہمی اتفاق

۱۔ قدیم زمانہ میں جب گاوں میں پنچایتی حکومت ہوتی تھی، اس وقت ہر ایک گاوں میں ایک مدرس کا انتظام اسی طرح ہوتا تھا جس طرح گاوں کے اور کاموں کے لیے دوسرے انتظامات ہوتے تھے اس کی تائید سر طامس منرو نے بھی کی ہے۔ جس نے ۱۸۱۳ء کو انگلستان کی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے سامنے شہادت پیش کی تھی اور کہا تھا کہ ہندوستان کے ہر گاؤں میں مدرسے ہوتے ہیں اور لوگ پڑھنا، لکھنا اور حساب میں کافی مہارت رکھتے ہیں۔ یہ مدرسے اٹھارہویں صدی کے آخر تک بہت اچھی طرح چل رہے تھے لیکن بعد میں ان کی امداد اور ہمت افزائی نہ ہونے کی وجہ سے وہ دن بہ دن ختم ہوتے چلے گئے۔

(Education in Muslim India: by, S.M.Jaffar, page. 150)

بلکہ تعلیمی صورت حال میں مسلمان دوسرے فرقوں کی بہ نسبت سست ہوتے چلے گئے اور وہ عظمت رفتہ کہانی بن گئی۔ سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق آزادی کے بعد سے مسلمانوں اور ترقی یافتہ طبقوں کے درمیان فرق بڑھا ہے بطور خاص ۱۹۸۰ء کی دہائی کے دوران مختلف طبقوں کی تعلیمی کامیابیوں کے درمیان نابرابری کا سلسلہ اس طرح مسلسل جاری رہا ہے کہ ہمیشہ کے محروم ایس سی/ ایس ٹی لوگ کئی دائروں میں مسلمانوں سے آگے نکل گئے۔ یہ بات بطور خاص اہم اس لئے ہے کہ حصول آزادی کے وقت ایس سی/ ایس ٹی لوگوں کی سماجی واقتصادی حالت مسلمانوں سے کم تر سمجھی جاتی تھی، اس سے ظاہر ہے کہ مسلمان منصوبہ بندی کے ثمرات کا فائدہ نہیں اٹھا سکے اور وہ دیگر طبقوں سے زیادہ سے زیادہ پچھڑتے چلے گئے۔ [دیکھیے: ہندوستان کے مسلمانوں کی سماجی، اقتصادی اور تعلیم حالت، سچر رپورٹ، ص ۷۹]۔

۲۔ تعلیمی ہند، مرتبہ اراکین مجلس قاسم المعارف ص ۵۹، دیوبند یوپی، ۱۳۵۳ھ

بھی ٹوٹتا چلا گیا اور مسلمانوں کی تعلیمی حالت بھی خراب ہوتی چلی گئی[1] اور ہر محکمہ میں مسلمانوں کی تعداد میں کمی ہوتی چلی گئی چنانچہ ۱۹۱۳ء تک کے ابتدائی اسکولوں میں مسلمان بچوں کی تعداد ۲۳،۶ فیصد سے کم ہوکر ۱۸،۵ فیصد ہوگئی اور ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے تمام ہندوستان میں جملہ خواندہ مسلمانوں کی تعداد گر کر ۴،۶ فیصد رہ گئی اور ہندوؤں کی تعداد ۷،۹ فیصد پہنچ گئی۔ پورے ہندوستان کو یا جن صوبوں میں ہندوں کی اکثریت ہے ان کو تو جانے دیجئے وہ صوبہ جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں بھی تعلیم یافتہ مسلمانوں کی تعداد کم ہوگئی چنانچہ صوبہ پنجاب میں مسلمان خواندہ ۲،۰ فیصد اور اسی کے مقابلہ میں ہندو خواندہ کی تعداد ۵،۹ فیصد ہوگئی تھی اور صوبہ بنگال میں مسلمان تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد ۵،۱ تھی جبکہ ہندو ۱۴،۰ فیصد خواندہ تھے[2]۔

شمالی ہندوستان یا اتر پردیش، ہندوستان کا ایک مسلم اکثریت علاقہ ہے، جہاں سچر کمیٹی اور ۲۰۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق، ہندوستان میں مسلمانوں کی کل آبادی ۱۳ کروڑ ۸۰ لاکھ میں سے ۳ کروڑ ۱۰ لاکھ اتر پردیش میں مسلم آبادی تھی[3]۔ اور ۲۰۱۱ء کی سرکاری مردم شماری کے مطابق اتر پردیش کی کل آبادی ۱۹۹،۵۸۱،۴۷۷ تھی جن میں سے ۱۸،۵ فیصد مسلم آبادی بتائی گئی ہے[4]۔ اگر تعلیمی لحاظ سے دیکھا جائے تو مسلمانوں میں شرح خواندگی ۲۰۰۱ء میں قومی اوسط سے بہت کم تھی اور ریاستی سطح کے تخمینوں سے یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ مسلمانوں اور عام اوسط کے درمیان خواندگی کا فرق شہری علاقوں اور خواتین میں زیادہ

۱۔ ایضاً ص ۶۰-۶۵، اس کتاب میں مصنف نے تاریخی شواہد اور انگریز دانشمندوں کے نظریات کے تحت مسلمانوں کی تعلیمات کا تحقیقی جائزہ لیا ہے۔ اور انگریزوں کی سازشوں کو بھی منطقی طور پر بیان کیا ہے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انگریزوں نے مسلم معاشرے کو اپنا دشمن سمجھتے ہوئے ایک طوالانی مدت پلاننگ کے تحت مسلمانوں کو تعلیمی میدان میں پیچھے کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

۲۔ ایضاً ص ۶۳-۶۴، کتاب میں بہت سے دیگر شواہد بھی پیش کئے گئے ہیں مطالب کے طوالانی ہونے کے سبب ہم نے اختصار سے کام لیا ہے لہذا قارئین حضرات تفصیلات جاننے کے لیے اصل کتاب یعنی "تعلیمی ہند" کی طرف رجوع کرسکتے ہیں۔

۳۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی سماجی، اقتصادی اور تعلیم حالت، سچر رپورٹ، ص ۲۹، اردو ترجمہ، فرحت احساس، وزیر اعظم کی اعلی سطحی کمیٹی کابینہ سکریٹریٹ، حکومت ہند، سردار پٹیل بھون، پارلمینٹ اسٹریٹ، نئی دہلی، نومبر ۲۰۰۶ء

۴. Census of India 2011 ,Provisional Population Totals, paper2 ,Volume1 of 2011,Rural-Urban Distribution, Uttar Pradesh series 10

ہے۔البتہ ریاستی سطح کے عمومی تجزیے سے مسلمانوں کی بہتر تصویر ابھرتی ہے[1]۔ یہ بات بھی ذہنوں میں رہے کہ مسلمانوں کی تعلیم میں علماء اور دینی مدارس کا بہت بڑا کردار رہا ہے لہذا آخر میں ہندوستان کے موجودہ مدارس اوران میں حاصل کرنے والے بچوں کی تعداد کے بارے میں ایک تجزیاتی گفتگو کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

مغربی بنگال میں مدرسہ ایجوکیشن بورڈ سے منظور شدہ مدرسوں میں زیر تعلیم طلبہ کی تعداد اپریل ۲۰۰۷ء میں ۱۱۰۹۵۰ تھی ،جن میں مدارس عالیہ ۹۳ کے ۱۹۴۵۰، مدارس فوقانیہ ۱۷۴ کے ۵۶۵۰۰، مدارس وسطانیہ ۱۴۰ کے ۳۲۵۰۰ اور تحتانیہ مدارس (پرائمری ۱۳) کے ۲۵۰۰ طلبہ شامل ہیں۔ بہار میں بورڈ سے منظور شدہ مدرسوں کی تعداد ۳۵۵۵ ہے جن میں امداد یافتہ مدارس ۱۱۱۸ ہیں۔ان مدارس میں زیر تعلیم بچوں کی تعداد کا اندازہ آپ بآسانی لگا سکتے ہیں۔اتر پردیش میں مدارس اسلامیہ کی تعداد ۱۰۲۵ بتائی جاتی ہے جن میں سے ۳۷۵ مدرسہ بورڈ سے منظور شدہ ہیں۔آسام میں مدرسوں کی تعداد ۸۰۰ کے آس پاس ہے۔کیرل میں صرف سمستھ کیرل اسلام متھاودھیابھیاسابورڈ[آل کیرل اسلامی دینی مدارس بورڈ) کے مدرسوں کی تعداد اس وقت ۱۰ ہزار ہے۔۲۰۰۶ء میں یہ تعداد ۸۴۹۱ تھی یہ بورڈ کیرل کے مسلمانوں نے ۱۹۵۲ء میں ازخود قائم کیا تھا۔اس وقت اس سے صرف ۱۰ مدرسے ملحق تھے،اس بورڈ میں حکومت کا کوئی دخل نہیں ہے تاہم اس کی اسناد کو حکومت کے تعلیمی اداروں میں داخلے کے لئے تسلیم کیا جاتا ہے۔یہ بورڈ باضابطہ مراکز قائم کر کے پانچویں،ساتویں اور دسویں کے امتحانات منعقد کراتا ہے اور طلبہ کو اسناد جاری کرتا ہے[2]۔

۱۔ہندوستان کے مسلمانوں کی سماجی،اقتصادی اور تعلیم حالت، سچر رپورٹ،ص ۵۲-۵۳

۲۔مدارس اسلامیہ،اردو تعلیم کا سب سے بڑا نیٹ ورک، خوشتر نورانی، ماہنامہ اردو دنیا، مئی ۲۰۱۳ء،ص ۲۸

۳۔مشرقی اتر پردیش

مشرقی یوپی جسے پورب کا علاقہ کہاجاتا ہے ایام قدیم سے مسلم اکثریت رہا ہے۔ سالار مسعود {متوفی ۴۲۴} نے اسلامی فتوحات کے وقت سپہ سالار بختیار کا کی، کی معیت میں قنوج، مانکپور کڑا، ستر کھ اور جائس وغیرہ کو فتح کیا اور سالار مسعود کی یہ سرگرمیاں اعظم گڑھ اور اس کے اطراف میں بھی جاری رہی اور جب مسعود کا یہ قافلہ ادھر آیا تو اس قافلہ کے ساتھ علما اور صوفی حضرات بھی آئے تھے جن کی قبریں اس دیار میں جگہ جگہ موجود ہیں جن کے نام سے بستیاں موسوم ہوگئیں۔ چنانچہ مئوناتھ بھنجن میں ملک طاہر اور ملک قاسم کی قبریں ہیں اور ان کے نام پر ملک طاہر پورہ اور قاسم پورہ آج بھی موجود ہے۔ مبارکپور کے پاس سریاں سے متصل ملک شدنی کا مزار ہے جہاں ہر سال ۲۶ / رجب کو درگاہ کا میلہ لگتا ہے۔ خیرآباد کے باہر شمال میں لب سڑک ملک جعفر کا مزار ہے اور ملک بہروز کے نام پر بہروز پور آباد ہے۔ ایسے ہی ملک بشارت کے نام پر موضع بشارت پور آباد ہے اور یہ قبر پورہ معروف کے جانب شمال تقریباً ایک میل پر میدان میں واقع ہے۔ شہنشاہ جہانگیر کے زمانہ سے لے کر اودھ کے آخری نواب کے زمانہ تک اعظم گڑھ اور اس کے قرب وجوار کے علاقوں پر ایک نومسلم ریاست بھی قابض ودخیل رہی ہے[۱]۔

جناب قاضی اطہر مبارکپوری[۲] کے مطابق مسلم دور حکومت میں دہلی کے مشرق میں صوبہ الہ آباد، صوبہ

۱۔ تاریخ اعظم گڑھ، قاضی اطہر مبارکپوری، مجلہ البلاغ، بمبئی مارچ اپریل مئی جون ۱۹۶۶ء/ ۱۳۸۶ھ۔

۲۔ قاضی اطہر مبارکپوری، پروانچل کی ایک عظیم شخصیت اور مورخ ہیں، جنہوں نے تاریخ اسلام اور تاریخ ہندوسند کے متعدد گوشوں کے تعلق سے کئی ایک بلند پایہ اعلی اور تحقیقی کتابیں عربی اور اردو زبانوں میں تالیف کی ہیں۔ آپ ۴ / رجب ۱۳۳۴ھ ۷ / مئی ۱۹۱۶ء کو قصبہ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ کے ایک علمی اور دینی گھرانے میں آنکھیں کھولیں، آپ کے جداعلیٰ مغل شہنشاہ نصیرالدین ہمایوں کے دور میں بانی مبارک پور راجہ سید مبارک [متوفی ۹۶۵ھ] کے ہمراہ مبارکپور تشریف لائے اور اس وقت سے ایک طویل عرصہ تک چونکہ نیابت قضا کا عہدہ آپ کے خاندان میں چلتا رہا، اس لیے لفظ قاضی آپ کے نام کا بھی جز بن گیا اور قاضی اطہر کے نام سے مشہور ہو گئے، آپ کا اصل نام عبدالحفیظ اور والد ماجد کا اسم گرامی شیخ محمد حسن ہے۔ {رجوع کریں: مضمون، قاضی اطہر مبارکپوری: نقوش زندگی، تحریر مولانا مفتی وصی احمد قاسمی، رجال السند والہند [سندو ہند کی قدیم شخصیات] مولف قاضی اطہر مبارکپوری، مترجم: مولانا عبدالرشید بستوی، ناشر مکتبۃ خدیجۃ الکبریٰ، اردو بازار کراچی ۲۰۰۵ء}

اودھ اور صوبہ عظیم آباد پر مشتمل جو وسیع اور محدود خطہ تھا اسے پورب کہتے تھے۔ ہر صوبہ میں دارالامارت، ہر دارالامارت سے متعلق بڑے بڑے شہر، ہر شہر سے متعلق قصبات اور ہر قصبہ کے ماتحت دیہات تھے، ان شہروں اور قصبوں میں عالیشان عمارتیں، شرفاء کے محلات، علماء، مشائخ، مختلف قسم کے پیشہ ور، مدارس اور مساجد تھیں جو جمعہ و جماعت سے معمور رہتی تھیں[1]۔

پورب میں علمی دور ۶۰۶ھ میں سلطان ایبک کی سلطنت سے شروع ہوا اور جوں جوں وقت گزرتا گیا یہاں کے شہر وقصبات اور قریات علماء و افاضل سے معمور ہوتے گئے یہاں تک کہ تغلق خاندان کے تیسرے حکمراں سلطان فیروز شاہ نے ۷۷۲ھ میں جونپور کو آباد کر کے اسے دیار مشرق کا مرکز بنایا اس کے بعد یہاں کے چپے چپے میں علوم و علماء کا کارواں چلتے پھرتے نظر آنے لگے اور ۶۰۶ھ سے لیکر ۷۷۲ھ تک کے پونے دوسو سالہ دور میں بنگال، سنارگاوں، پنڈورہ، بہار، منیر، پٹنہ، اودھ اور اس کے اطراف میں کڑا، مانک پور، اجودھیا، کنتور، سترکھ، بجنور، سنڈیلہ، جھونسی، ظفر آباد، بہرائچ، دلمئو اور پالہی مئو وغیرہ میں علم وفضل کے مرکز ہو گئے تھے۔ فیروز شاہ تغلق کے عہد سے لیکر سلطان محمد شاہ کے دور تک تقریبا چار سو سال یہ جونپور شہر اپنے حدود سمیت علم وفضل اور علماء و افاضل کا گہوارہ بنا رہا، مگر دیار پورب اور حدود جونپور کی علمی و دینی محفل کی رونق میں کوئی فرق نہیں آیا[2] اور بعد میں یہ علاقے مسجدوں اور مدرسوں اور خانقاہوں کے ساتھ علما و افاضل اور مشائخ سے یوں معمور ہوئے کہ دیار پورب شیراز ہند بن گیا جیسا کہ عبداللطیف شوشتری[3] جونپور کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

> **آن شہر دار العلم ہندوستان بودہ و طلبہ علم از ہر دیار در آنجا می رفتند و بہ تحصیل و تکمیل می کوشیدند. و مردم آن نیز بہ علم و فضل وجودت ذہن اشتہار داشتہ‌اند. از آنجملہ بودہ است مولانا محمود**

---

[1]۔ دیار پورب میں علم اور علما، قاضی اطہر مبارکپوری، ص ۲۰، ناشر ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی، فروری ۱۹۷۹ء

[2]۔ ایضا ص ۲۶-۳۳

[3]۔ عبداللطیف ایک معروف ایرانی سیاح تھے جنھوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں کا سفر کیا اور اپنے سفر کی تمام جزئیات کو اپنی کتاب تحفۃ العالم میں بیان کیا ہے۔

جونپوری که در عصر خویش به فضیلت علم و نزد شاه جهان بن جهانگیر معزّز و محترم بود[1]۔

یعنی جونپور شہر، ہندوستان کا دارالعلم تھا جہاں ہر گوشہ سے طالب علم آتے اور تحصیل علم کرتے تھے۔ وہاں کے لوگ بھی اپنے علم و فضل و جودت ذہنی کی وجہ سے معروف تھے انہیں میں سے مولانا محمود جونپوری ہیں جو اپنے زمانے میں اپنے علم کی برتری کی وجہ سے شاہجہاں کے نزدیک بڑے محترم تھے۔

ان کے علاوہ یہاں کی سرزمین سے بہت سے علماء نکلے جنہوں نے پورب کے تمام علاقوں میں علم کی روشنی پھیلائی۔ ان میں سے مندرجہ ذیل علماء کا نام لیا جاسکتا ہے:

شیخ الاسلام فریدالدین یحیی اودھی، شیخ نصیرالدین اودھی چراغ دہلی، شیخ حسام الدین مانک پوری، راجہ سید حامد شاہ مانک پوری، ملک العلما قاضی شہاب الدین دولت آبادی، ملا محمود جونپوری، ملا محمد افضل جونپوری، مولانا ابوالخیر بھیروی، مولانا اللہ داد جونپوری، دیوان محمد رشید جونپوری، شیخ احمد عبدالحق ردولوی، سید اشرف سمنانی، شیخ علی متقی جونپوری، علامہ سید محمد مرتضی، بلگرامی زبیدی، شیخ محب اللہ بہاری، حافظ امان اللہ بنارسی، ملا احمد جیون امیٹھوی، ملا نظام الدین فرنگی محلی، شیخ غلام نقش بند لکھنوی، مولانا شاہ ابوالغوث گرم دیوان بھیروی لہراوی کے علاوہ بہت سے علماء و فضلاء پیدا ہوئے۔ اسی سرزمین سے سید محمد مہدوی جونپوری، شیخ بدیع الدین مدار اور کبیر اٹھے، جن کے افکار و خیالات نے ایک مستقل مکتب فکر کی حیثیت پائی، اسی دیار میں روحانی طرق و سلاسل میں چشتیہ، سہروردیہ، شطاریہ، اشرفیہ، قلندریہ، عاشقیہ، مداریہ، کو بھی فروغ حاصل ہوا[2]۔ اس کے علاوہ اس سرزمین یا اطراف لکھنو میں مختلف ممالک یا علاقوں سے آنے والے علماء کی تفصیلات کو جناب محمد باقر شمس نے اپنی کتاب ''تاریخ لکھنؤ'' میں بھی ہر صدی کے علماء کو نام و نشان کے ساتھ ذکر کیا ہے[3]۔

---

[1]۔ تحفۃ العالم وذیل التحفۃ، سفرنامہ وخاطرات، میر عبداللطیف شوشتری، ج۱ ص ۴۱۹، ناشر کتابخانہ طہوری، تہران ۶۳ ۱۳ شمسی

[2]۔ دیار پورب میں علم اور علماء، ص ۱۷-۱۸

[3]۔ ان کی تفصیلات کو جاننے کے لیے تاریخ لکھنو کی طرف رجوع کریں۔

یہ علماء مسند درس بچھائے ہوئے تھے اور دور دور سے تشنگان علوم آتے اور وہاں کے لوگ ان کے قیام وطعام کی سہولت بہم پہنچاتے۔ اس وقت اودھ کا پورا خطّہ علم وفضل کی روشنی سے چمک رہا تھا جس کا مرکز لکھنؤ تھا۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی[1] اس کیفیت یوں بیان کرتے ہیں کہ:

> سرزمین پورب از قدیم الایام معدن علم و علماست، اگرچه جمیع صوبه جات هند به وجود حاملان علوم تفاخر دارند سیما حصار پای تخت خلافت که به واسطه مرجعیت کمالان در آنجا فراهم می آیند و از تراکم افکار و اجتماع عقول اهل هر عصر کمالات نفس ناطقه را چه علم عقلی و نقلی و چه غیر آن به پایه بالا تر می رسانند، اما صوبه اوده و اله آباد خصوصیتی دارد که در هیچ صوبه نه توان یافت، چه تمام صوبه اوده و اکثر صوبه اله آباد به فاصله پنج کرده نهایت ده کرده تخمینا آبادی شرفا و نجبا است که از سلاطین و حکام وظائف و زمین مدد معاش داشته اند و مساجد و مدارس و خانقاهات بنا نهاده و مدرسان عصر در هر جا ابواب علم بر روی دانش پژوهان کشاده و صلای اطلبوالعلم درواده، و طلبه علم خیل خیل از شهری به شهری می روند و هر جا موافقت دست بهم داد به تحصیل مشغول می شوند و توفیقان هر معموره طلبه علم را نگاه می دادند و خدمت این جماعه را سعادت عظمی می دانند. قرآن ثانی شاهجهان انارالله برهانه می گفت 'پورب شیراز

---

[1] ۔مولانا غلام علی آزاد بلگرامی، جنہیں حسان الہند کہا جاتا ہے آپ مولانا ہونے کے ساتھ ساتھ ادیب، شاعر، مولف، مورخ اور بہترین محقق بھی تھے انہوں نے اردو، عربی اور فارسی میں شاہکار کتابیں تصنیف کی ہیں بلکہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں تذکرہ نویسی کی بنیاد رکھنے والے آپ ہی ہیں، آپ یعنی غلام علی آزاد ابن سید نوح بلگرامی ۲۵ / صفر ۱۱۱۶ھ کو بلگرام میں پیدا ہوئے اور ۱۲۰۰ھ میں بمقام روضہ {جونواح اورنگ آباد دکن میں ایک مشہور مقام تھا} چوراسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ (رجوع کریں: مقدمہ مآثر الکرام، ج۱، ص۵)۔

مملکت ما است[۱]-[۱]

یعنی سرزمین پورب قدیم الایام سے ہی علم وعلماء کا معدن رہی ہے، اگرچہ ہندوستان کے تمام صوبجات حاملان علوم کے وجود کا فخر رکھتے ہیں خصوصاً دارالخلافہ کہ جہاں ہرقسم کے صاحبان کمال نے مرجعیت کی وجہ سے علوم عقلی ونقلی کو پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے،لیکن صوبہ اودھ الہ آباد ایک خاص خصوصیت رکھتا ہے جو کسی صوبہ کو حاصل نہیں ہے۔ پورا صوبہ اودھ اور اکثر صوبہ الہ آباد تخمیناً پانچ یا زیادہ سے زیادہ دس میل پر شرفاء ونجبا کی آبادی ہے اور مددِ معاش کے لئے سلاطین وحکام سے وظائف وزمین حاصل کی ہے، خانقاہیں اور مدرسے بنائے ہیں اور مدرسانِ عصر نے ہر جگہ اہل دانش کے لئے ابوابِ علم کھول دیئے ہیں اور طلاب علوم گروہ درگروہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں جاتے ہیں اور جس جگہ کو موافق مزاج پاتے ہیں وہاں تحصیل علم میں مشغول ہوجاتے ہیں اور ہر جگہ کے صاحبان مقدرت طالب علم کی نگہداشت اور ان کی خدمت کو سعادت عظمیٰ جانتے ہیں۔قران ثانی شاہجہاں انار اللہ برہانہ کہتے تھے کہ پورب ہماری مملکت کا شیراز ہے۔

جناب محمد باقر شمس اس بارے میں اظہار نظر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ: ۱۱۵۳ھ میں علم کا رواج خصوصاً معقولات کا جس طرح یہاں تھا کسی جگہ نہیں پایا جاتا تھا۔ اس وقت بڑے بڑے علماء جلوہ طراز اور مراتب علم کی بلندیوں پر ممتاز تھے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ ''شرفاء اور نجبا کی یہ بستیاں دفعتاً نہیں بلکہ صدیوں میں بسی ہوں گی اور یہ معاشرہ بھی صدیوں میں قائم ہوا ہوگا۔شاہجہاں اس دور سے نصف صدی پہلے اسے شیراز ہند کہہ چکا تھا اور جب اس نے یہ کہا تھا اس وقت وہ شیراز نہیں بنا تھا بلکہ صدیوں سے اس کو علمی مرکزیت حاصل تھی، اسی بناء پر ۱۱۵۳ھ میں آزاد بلگرامی نے کہا کہ قدیم الایام سے معدن علم وعلماء ہے۔ان کی مراد شاہجہاں سے سو دو برس پہلے کا زمانہ ہوگا مگر ہم نے ابتدائے اسلام سے یہاں کے علمی آثار بتائے ہیں۔ اگر ہندوؤں کا زمانہ بھی شامل کرلیا جائے تو صبح تاریخ سے پہلے یہاں علم کا آفتاب نکل چکا تھا۔ اس وقت علوم عقلیہ کا وہ آفتاب جو شیراز سے نکلا اودھ میں نصف النہار پر تھا''[۲]۔

۱۔ مآثر الکرام، محمد علی آزاد بلگرامی، ج ۱ص ۲۲۱-۲۲۲،

۲۔ تاریخ لکھنو، محمد باقر شمس، ج ۱ص ۱۵۸-۱۶۰، ناشر احمد برادرس پرنٹرس، ناظم آباد، کراچی ۱۹۷۲ء

البتہ بعد میں یہاں کے سیاسی حالات کچھ ایسے بدلتے گئے کہ رفتہ رفتہ وہ علمی رونقیں کم ہوتی چلی گئیں یہاں تک کہ انگریزوں کا زمانہ آگیا اور ۱۱۸۷ھ میں جونپور انگریزوں کے قبضہ میں آگیا [۱]۔ ۱۷۸۸ء میں جب ڈنکن نے اس شہر کو دیکھا تو اس کی بربادی پر افسوس کیا، اس زمانہ کے کمشنر اور کلکٹر بنارس کے سرکاری کاغذات میں اس شہر کی گذشتہ عظمت کے غیر فانی نقوش باقی ہیں جہاں پر لکھا ہے کہ: ''جونپور جو مسلمانوں کے علوم وفنون کا مرکز اور علماء کا مرجع تھا اور جسے شیراز ہند کا خطاب حاصل تھا جہاں بہت سے مدارس قائم تھے اور جس کی اب صرف گذشتہ عظمت کی داستان ہی باقی رہ گئی ہے، ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ شہر ہندوستان کا شیراز تھا یا ازمنہ وسطی کا پیرس، جونپور کا ہر شاہزادہ اس پر فخر کرتا تھا کہ وہ علم وحکمت کا مربی ہے، علما اور حکما اس شاہی دارالحکومت کے پر امن سرزمین میں ہر طرح کی علمی ترقیوں کے لئے ہمہ تن کوشاں رہتے تھے۔ محمد شاہ کے زمانے تک ۲۰ مشہور مدرسے جونپور میں موجود تھے جن کے اب صرف نام ہی باقی رہ گئے ہیں'' [۲]۔

بہر حال جونپور ایک ایسا علاقہ تھا جسے علمی لحاظ سے مرکزیت حاصل تھی اور لوگ وہاں سے پڑھکر جونپور کے اطراف، قصبوں میں علم کی روشنی پھیلاتے گئے۔ اعظم گڑھ کا تعلق بھی قدیم زمانہ میں اسی جونپور ہی سے تھا اور اس کے اکثر فرزند اسی تعلق سے جونپور کے انتساب سے مشہور ہیں مثلا ملا محمود جونپوری دراصل ولید پور کے باشندے تھے، چریا کوٹ، محمد آباد، ولید پور، نظام آباد، ماہل، سرائے میر، مبارکپور، مئو اس کے مشہور قصبات تھے۔ ضلع اعظم گڑھ میں گذشتہ ایام کی کثرت تعلیم کے آثار ابھی تک پائے جاتے ہیں [۳]۔ جس کا مشاہدہ مبارکپور، مئو اور آس پاس کے علاقوں میں کیا جاسکتا ہے۔ مولانا قاضی اطہر نے اپنی کتاب ''دیار پورب میں علم اور علماء'' میں اس علاقے کی سات سو سالہ اسلامی تاریخ کے چار ادوار قائم کیے ہیں اور ہر دور کی علمی ودینی سرگرمی اور ارباب فضل وکمال کا اجمالی تعارف بھی پیش کیا ہے، اس کے بعد دیار پورب

۱۔ ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، ابوالحسنات ندوی، ص ۴۵-۴۶، ناشر روز بازار الیکٹرک پریس ہال بازار، امرتسر

۲۔ ایضا، ص ۴۶-۴۷

۳۔ ایضا، ص ۴۷-۴۸

کے کئی خانوادہ علم وفضل کے علماء ومشائخ ان کے اساتذہ، تلامذہ، معاصرین اور متعلقین کا تذکرہ کیا ہے۔

۴۔ پورب کا علاقہ اور شیعیت

یقینی طور پر یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ پورب کے علاقے میں شیعوں کا وجود کس زمانے سے ہے البتہ مغلوں کے دور حکومت میں بہت سے شیعہ سادات گھرانے ہندوستان کے شمالی علاقے اور خاص طور پر اودھ کے مختلف علاقوں میں آکر بس گئے تھے جنہیں مغل سلطنت کی طرف سے جاگیریں بھی ملی تھیں۔ یہ جاگیریں کئی دیہاتوں اور کھیتی کی سرزمین پر مشتمل ہوتی تھیں۔ جاگیریں پانے والوں میں سے ایک سید سلیمان نیشاپوری ہیں جنہوں نے ۱۴۰۳ء میں اودھ کے علاقہ میں سکونت اختیار کی تھی اور عربستان سے مہاجرت کر کے آئے جناب سید احمد کی خاندان میں شادی کی۔ ان لوگوں کے پاس بہت سی زمینیں تھیں اور ان کی نسل کے بہت سے سادات حضرات پیرپور اور کٹریا کے خطہ میں زمیندار تھے[1]۔

جناب کول[2] کی تحقیق کے مطابق شیخ احمد لرستانی ۱۴۰۰ء میں ایران سے ہندوستان تشریف لائے تھے اور ان کی نسل کے گیارہ خانوادوں کے اختیار میں پرگنہ اکبر پور کی جاگیریں تھیں۔ پرگنہ برہرا اور نصیر آباد کے لوگ سید نصیر الدین سے اپنے کو منسوب کرتے ہیں، جب تیمور نے ایران پر حملہ کیا تو اسی زمانے میں سید نصیر الدین ہندوستان تشریف لائے تھے، اکبر بادشاہ نے ان کی خاندان کو بھی جاگیریں عطا کی تھی[3]۔

بارہ بنکی کی آدھی سے زیادہ زمینیں وہاں کے سادات اور مسلم شیوخ کی ملکیت میں تھی جبکہ ان لوگوں کا شمار آبادی کے دو فیصد لوگوں میں ہوتا تھا۔ انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں زید پور کے سادات کے

---

[1]. Roots of North Indian Shiism in Iran and Iraq: Religion state in Awadh. By: Cole, J.R.I. page. 76,pulished, Berkeley and London, university of California press, 1988.

[2]۔ جناب کول ایک انگریز محقق ہیں جنہوں نے ۱۹۸۸ء میں ''شمالی ہند کی شیعیت کا سلسلہ ایران وعراق میں'' نام کی ایک تحقیقی کتاب لکھی ہے۔

[3]. Roots of North Indian Shiism in Iran and Iraq: Religion state in Awadh. By: Cole, J.R.I. page. 76

پاس دس مسجدیں اور ۱۷/ امامبارگاہیں تھیں اور کنشور و بارہ بنکی کے سادات کے پاس اپنے وطن کی زمینوں کا ۳/ ۲ حصہ ان کی ملکیت میں تھا اور اس کے علاوہ معافی کی زمینیں بھی ان کے اختیار میں تھیں یہاں کے سادات اپنے کو سید شرف الدین اور سید محمد نیشاپوری نام کے دو بھائیوں سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ دونوں بھائی ایران پر ''ہلاکو'' کے حملہ کے وقت ہندوستان تشریف لائے تھے۔

انیسویں صدی عیسوی میں بلگرام خطہ کی آدھی سرزمین سادات کے اختیار میں تھی یہاں کے سادات سید محمد واسطی سے منسوب ہیں جنہوں نے ۱۲۱۷ء میں اس خطہ کو فتح کیا تھا۔ سنڈیلہ کے دیہاتوں کا آٹھ فیصد حصہ وہاں کے سادات کے اختیار میں تھا اور اسی طرح جائس اور نصیر آباد کے سادات کو بھی مغل حکومت کی طرف سے رائے بریلی میں جاگیریں ملی تھیں یہ لوگ سید نجم الدین سبزواری کی نسل سے منسوب ہیں جو سالار مسعود کے ہمراہ گیارہویں صدی عیسوی میں ہندوستان کے شمالی علاقے میں آئے تھے۔ جرول کے سادات اپنے کو سید زکریا سے منسوب کرتے ہیں جو چنگیز خان کے حملہ کے وقت ہندوستان تشریف لائے تھے اور انہیں دلی کے سلطان غیاث الدین کی طرف سے ۱۵۰۰۰ بیگھہ زمین جاگیر کے عنوان سے دی گئی تھی[1]۔

نادر شاہ نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تو اس کی فوج میں موجود شیعہ افراد دہلی چلے آئے اور ان میں سے بعض اودھ کے علاقوں میں چلے آئے جہاں انہیں فوجی اور حکومتی عہدوں پر مامور کیا گیا اور انہوں نے بھی شیعیت کی توسیع اور عزاداری کو فروغ دینے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ مازندران کے مرعشی سادات سے تعلق رکھنے والے ذوالفقار علی جنگ نے صفدر جنگ کی بہت مدد کی اور اودھ ہی میں سکونت اختیار کی[2]۔ جب ۱۱۷۰-۱۱۷۴ھ/ ۱۷۵۷ء-۱۷۶۱ء کے دوران نادر شاہ نے شمالی ہندوستان پر حملہ کر کے شیعوں کا قتل عام کرنا شروع کیا تو دہلی کے مقیم بہت سے شیعوں نے اودھ کو ہجرت کی جس کی وجہ سے اودھ میں شیعوں کی تعداد میں خاصہ اضافہ بھی ہوا[3]۔ کشمیر سے بھی بہت سے مسلمان ہجرت کر کے اودھ میں مقیم ہوئے جنہیں

۱۔ ایضاً ص ۷۶-۷۸

۲۔ شاہ ولی اللہ و عصر او، اطہر عباس رضوی، ص ۱۵۴-۱۵۹

۳۔ شیعہ در ہند، اطہر عباس رضوی، ص ۷۳

امجد علی شاہ نے پناہ دی اور ان کے لئے گھروں کا بھی انتظام کیا[1]۔

مذکورہ معلومات کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر کہا جائے کہ مغل دور حکومت، اودھ حکومت کی تشکیل کا مقدمہ بنا ہے تو مبالغہ نہ ہوگا کیونکہ سادات حضرات اودھ کے مختلف علاقوں میں منتشر ہو چکے تھے اور جیسے ہی اودھ حکومت کا قیام ہوا شیعہ حضرات مختلف گوشہ و کنار سے فیض آباد اور لکھنؤ تشریف لائے اور نوابین اودھ کے ساتھ ملکر ایک شیعہ حکومت کا قیام کیا اور مذہب تشیع کو وسعت دی۔

قاضی اطہر تحریر فرماتے ہیں کہ: نوابین اودھ کے زمانے میں شیعیت کی تبلیغ کا کام بہت منظم تھا، ہمدردی اور دلداری کے علاوہ ان کی طرف سے مختلف علاقوں میں مبلغین بھیجے گئے، مدرسے، اماباڑے اور چوک تعمیر ہوئے، تعزیہ داری کے لئے معافیاں دی گئیں، قصبہ مبارکپور میں اس سلسلہ کے اجمالی بیان سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مولوی رمضان علی نے یہاں آکر ایک شاندار اماباڑہ نواب شجاع الدولہ کے دور حکومت ۱۲۰۹ھ میں تعمیر کیا اور اس کے اندر چبوترہ اور پنجہ نواب سعادت علی خاں کے دور ۱۲۱۶ھ میں بنوایا، اس زمانے میں ایسی شاندار عمارت اس دیار میں نہیں تھی، یہ عمارت طغرے اشعار اور نقش و نگار سے مزین تھی، اسی میں ایک بڑا سا مدرسہ بھی جاری تھا، جسے مکان رمضان شاہ کہتے تھے۔ اسی زمانے میں شیخ سیف علی، باہر سے یہاں آئے اور انھوں نے بھی تبلیغ و اشاعت کے ساتھ اماباڑہ رمضان علی کے بالمقابل جنوبی سمت میں ایک اماباڑہ تعمیر کیا جو بعد میں منہدم ہوگیا، شیخ چراغ علی بھی اسی دور میں شیعیت کی تبلیغ کے سلسلے میں اس قصبے میں آئے جنہوں نے قصبہ کے مغرب میں ایک پرفضا باغ میں شاہ پنجہ کے نام سے ایک عظیم الشان اماباڑہ تعمیر کیا، بازار میں ایک قدم رسول نامی عمارت بھی اسی دور کی ہے، ان کے علاوہ کئی اور اماباڑے اس دور کے بنے ہوئے اب تک موجود ہیں[2]۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نہ صرف مبارکپور بلکہ دیار پورب میں جتنی اما مبارگاہیں موجود ہیں، اکثر و بیشتر شاید اسی دور میں تعمیر کی گئی ہوں۔

اس دور میں تعمیراتی کام کے علاوہ شیعوں کے فروغ کے لئے ثقافتی کام بھی انجام دیئے گئے۔

۱۔ شیعوں پر کیا گذری، آغا مہدی، ص ۴۷

۲۔ دیار پورب میں علم اور علماء، ص ۱۱۲ - ۱۱۳

مذہب شیعہ کے علماء اور ادارے پورے نشاط و انبساط کے ساتھ علمی اور مذہبی مشاغل میں مصروف رہے، نوابان اودھ کی طرف سے ان کی پوری مدد ہوتی رہی، اس دور میں اس مذہب کے بڑے بڑے علماء و افاضل اور مجتہدین پیدا ہوئے جن کی علمی شہرت ایران وعراق اور قم و کاشان تک پہنچی، نیز دیگر ممالک کے شیعہ علماء و افاضل نے حکومت اودھ میں رہکر نہایت قدر و منزلت پائی[1]۔ یہی وہ دور تھا جب شیعہ سنی مسائل و مباحث پر جانبین سے کثرت سے کتابیں لکھی گئیں اور دونوں کے اختلافات نکھر کر سامنے آگئے، بڑے بڑے مناظرے اور مباحثے ہوئے اور عام مسلمانوں کو ان کی وجہ سے معلومات حاصل ہوئیں۔ مولانا غلام علی آزاد نے اس دور کے بارے میں بجا طور سے لکھا ہے

> **"رواج علم خصوص معقولات به کیفیتی که آنجا است در قلمرو هندوستان هیچ جا نیست، هنوز علمائ فحول جلوه طراز اند و به اصول اقصی مراتب کمال ممتاز[2]"**

اس علاقہ میں علم خصوصاً معقولات کا رواج اس طرح ہے کہ پورے ہندوستان میں کسی اور جگہ نہیں ہے ابھی تک علمائے فحول، مسند علم پر جلوہ طراز رہکر مراتب کمال کی انتہائی بلندی پر ممتاز ہیں۔

اسی دور میں شیعہ مذہب قبول کرنے والوں کے لئے نئے نئے مدرسے جاری کئے گئے اور جگہ جگہ معلمین و مدرسین بھیجے گئے، چنانچہ مبارکپور میں مولوی رمضان کے مدرسے کا ذکر آچکا ہے، یہ بہت بڑا مدرسہ تھا جہاں کئی عالم و فاضل درس دیتے تھے مولوی علی حسن نے "واقعات و حادثات مبارکپور" میں ۱۸۱۳ء کی جنگ کے بیان میں لکھا ہے کہ اس امامباڑہ کے تین طرف بہت خوش قطع سائبان تھے اور اس میں ایک بڑے متبحر عالم و فاضل بے مثل بنام مولوی نثار علی مرحوم ساکن قصبہ سرائمیر برادر چچازاد شیخ جان علی مرحوم خوشنویس علوم عربی و فارسی کا درس دیتے تھے اور اسی امامباڑے میں قیام پذیر تھے۔ مولوی نثار علی بعد میں اسماعیلی مذہب قبول کر کے اس فرقہ کے داعی و مبلغ بن گئے تھے، ۱۸۱۳ء کی جنگ میں یہ اور مولوی محمد نشان

---

[1]۔ ایضاً ص ۱۱۵

[2]۔ مآثر الکرام، ج ۱، ص ۲۲۳، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی، ناشر مطبع مفید عام، آگرہ ۱۹۱۰ء۔

اور میر معظم حسین بھی مقتول ہوئے، قصبہ میں شیعہ مذہب کا ایک اور مدرسہ لالن مہتر کے اماباڑے میں تھا، جس میں مولوی بشارت علی ساکن فیض آباد درس دیتے تھے۔ ان مدارس کے علاوہ بہت سے نئے مدارس وجود میں آ گئے جن میں ہر فرقے کے طلبہ پڑھتے تھے، اس زمانہ میں سنی طلبہ شیعہ علماء اور شیعہ طلبہ سنی علماء سے ادب اور معقولات کی کتابیں پڑھا کرتے تھے[۱]۔

اس دور کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ قدیم خانوادوں کی جاگیروں اور معافیوں کی ضبطی کے نتیجے میں قدرتی طور سے علم وفن ان کے حلقہ اثر اور دائرہ اقتدار سے نکل کر پس ماندہ اور پیشہ ور طبقوں میں داخل ہو گیا، ان لوگوں نے اپنے زیر اہتمام مدرسے جاری کئے، اپنے طور پر پڑھنے پڑھانے کا انتظام کیا اور اپنے تعاون سے عمومی مدرسوں میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ قائم کیا ورنہ اس سے پہلے عام طور پر شرفاء و نجباء کے مکانوں پر یہ کام ہوتا تھا اور کمزور اور پس ماندہ طبقوں کے لئے تحصیل علم کے مواقع بہت محدود تھے، ہمارے دیار میں عوامی مدرسوں کی موجودہ رونق اسی صورتحال کا نتیجہ ہے[۲]۔

۱۔ واقعات وحادثات مبارکپور، حسن علی حسن، قلمی نسخہ، ص ۱۷-۲۳

۲۔ دیار پورب میں علم وعلماء، ص ۱۱۵

دوسرا باب

مشرقی یوپی اور دیار پورہ معروف

۱۔مشرقی یوپی میں پورہ معروف کی حیثیت

پورہ معروف مشرقی یوپی کے ضلع مئوناتھ بھنجن[۱] کا ایک چھوٹا سا گاوں ہے[۲] جسے سرکاری کاغذات میں ''کرتھی جعفر پور''[۳] کے نام سے جانا جاتا ہے۔ پورہ معروف اگرچہ آبادی اور رقبہ کے لحاظ سے بہت ہی

۱. Maunath bhanjan

۲۔ یہاں پر مئو کی مختصر تاریخ بیان کرنا ضروری ہے کیونکہ مئو کا علاقہ مختلف زمانوں میں مختلف صوبوں کے تحت رہنے کے بعد ایک مستقل ضلع بنایا گیا ہے۔ مئو کی تاریخ پندرہ سو سال پرانی ہے جب یہاں گھنا جنگل تھا اور یہاں کی بہنے والی ندی تمسا کے کناروں پر کچھ جنگلی اور خانہ بدوش (آدیواسیوں) کا بسیرا رہتا تھا۔ زمانہ گذرتا گیا اور جنگلوں میں کمی آتی گئی ادھر ادھر سے لوگ دھیرے دھیرے بستے گئے یہاں تک کہ ۱۰۲۸ء کے آس پاس مسعود سالار غازی نے ایک فوج کی ٹکڑی مئو کے علاقہ پر قبضہ کرنے کیلئے بھیجی جس میں ایک بابا ملک طاہر نام کے صوفی اپنے بھائی میر قاسم کے ساتھ اس علاقہ میں وارد ہوئے تھے اور اس وقت مئو میں نٹ ذات حکومت کرتی تھی، مسعود سالار کی فوج اور نٹوں کی فوج میں جنگ چھڑ گئی جس کے نتیجے میں "مئو نٹ کا بھجن" [یعنی نٹوں کی شکست ہوئی] ہوا۔ اسی لئے اس جگہ کا نام "مئونٹ بھجن" ہوگیا تھا جو بعد میں تغییر ہوکر "مئوناتھ بھنجن" میں تبدیل ہوگیا اور آج بھی اسی نام سے جانا جاتا ہے۔ البتہ لفظ "مئو" کے بارے میں محققین کے مختلف نظریات ہیں، کچھ کا کہنا ہے کہ یہ لفظ سنسکرت زبان کے لفظ मयूर سے بنا ہوا ہے اور کچھ کا کہنا ہے کہ یہ ترکی زبان کا لفظ ہے، ترکی زبان میں مئو کے معنی" پڑاو یا چھاونی" کے ہیں۔ بہرحال مئو کا یہ علاقہ مغل حکومت کے زمانے تک صوبہ جونپور کے ماتحت تھا لیکن انگریزوں کی ہندوستان میں دخالت کے بعد ۱۸۰۱ء میں اعظم گڑھ اور مئوناتھ بھنجن ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کردئے گئے جنھیں ضلع گورکھپور کے ماتحت قرار دیا گیا۔ ۱۹۳۲ء میں اعظم گڑھ کو مستقل ضلع بنا کر مئو کو اس کے ماتحت قرار دیا گیا لیکن ترقی کرنے سبب اور جناب کلپناتھ رائے مرحوم کی کوششوں کے نتیجے میں ۱۹/ نومبر ۱۹۸۸ء کو ماتحتی کا یہ سلسلہ ختم ہوگیا اور مئو ناتھ بھنجن ایک مستقل ضلع بنا دیا گیا۔ [ان اطلاعات کو ذیل کی سایٹ پر دیکھ سکتے ہیں:

http//:mau.nic.in/AboutDistrict/History.html

مئو کی ابتدائی تاریخ کے متعلق مزید معلومات کے لیے بروکمن کی تالیف کردہ کتاب اعظم گڑھ گزیٹیر کے صفحہ ۲۵۴ تا ۲۵۹، کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ اس کتاب کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

AZAMGARH: A Gazzeteer, volume xxxiii, by: D. L. Drake Brockman, published: newal Kishore press, lucknow 1911

۳. Kurthi jafarpur

چھوٹی بستی ہے لیکن علمی لحاظ سے بہت ہی ترقی یافتہ ہے جس کا اندازہ وہاں کے پڑھے لکھے افراد اور وہاں پر موجود علمی وثقافتی اداروں سے لگایا جاسکتا ہے۔

پورہ معروف کے علماء خواہ اہل سنت علماء ہوں یا شیعہ علماء، گذشتہ ایام میں اگر نظر کریں تو مولانا محمد طاہر[۱]، مولانا محمد عثمان معروفی[۲]، مولانا عبدالجبار معروفی (سابق شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد)، مولانا تفضّل مہدی معروفی (سابق استاد جوادیہ عربی کالج بنارس)، مولانا عبدالستار معروفی (سابق شیخ

۱۔مولانا محمد طاہر اہل سنت کے ایک بڑے علم دین تھے آپ پورہ معروف محلہ بلوہ کے ایک معزز اور دولتمند گھرانے میں ۱۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی پھر اس زمانے میں تعلیمی لحاظ سے مشہور شہر جونپور میں مذہبی تعلیم حاصل کی اور وہاں سے فراغت کے بعد حج کے فرائض انجام دیئے اور کچھ عرصہ وہاں گذارنے کے بعد مولانا کا قیام مستقل طور پر پورہ معروف ہوگیا جہاں آپ امام جمعہ وعیدین کے فرائض انجام دینے کے ساتھ دیگر دینی امور بھی انجام دیتے تھے۔مولانا نے ۱۲۹۲ھ میں انتقال فرمایا۔{مولانا کے بارے میں بیشتر معلومات کے لئے مولانا محمد عثمان معروفی کی کتاب ''حیات طاہر'' کا مطالعہ کریں جس میں مولف نے ان کی حیات وخدمات پر مفصل روشنی ڈالی ہے}۔

۲۔مولانا محمد عثمان معروفی پورہ معروف کے ایک مایہ ناز اہل سنت عالم دین گذرے ہیں، وہ عالم دین ہونے کے ساتھ بہترین خطاط بھی تھے اور تاریخ گوئی میں بہت اچھی مہارت رکھتے تھے۔ انہوں مولانا محمد طاہر مرحوم کی شخصیت پر ''حیات طاہر'' نام سے ایک بہترین کتاب لکھی جس میں پورہ معروف کی مختصر اور مفید تاریخ بھی درج کی ہے۔اس کے علاوہ فن تاریخ گوئی کے متعلق ایک کتاب بنام محاسن التواریخ لکھی اور اپنا ایک شعری مجموعہ بنام گلدستہ فاخرہ یادگار چھوڑا ہے۔[آپ کے بارے میں مزید معلومات کے لئے مولانا اشتیاق احمد قاسمی کے مضمون ''حضرت مولانا محمد عثمان معروفی اور فن تاریخ گوئی'' کی طرف رجوع کرسکتا ہے جو ربیع الثانی، جمادی الاول ۱۴۳۳ھ کے ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ ۳-۴، جلد ۹۶ میں چھپا ہے]۔جناب مولانا محمد عثمان معروفی کی دیگر تصانیف میں: ۱۔حیات طاہر مطبوعہ ۱۳۸۷ھ ۲۔کمیونزم اور مذہب، مطبوعہ ۱۳۸۷ھ ۳۔حرم مغفرت، مطبوعہ ۱۳۸۸ھ ۴۔ایک عالمی تاریخ، مطبوعہ ۱۳۹۳ھ ۵۔مشاہیر پورہ معروف، مطبوعہ ۱۳۹۶ھ ۶۔معجزہ وکرامات، مطبوعہ ۱۴۰۲ھ ۷۔تاریخ وقائع لاثانی، مطبوعہ ۱۴۰۲ھ ۸۔تذکرۃ الفنون، مطبوعہ ۱۴۰۳ھ ۹۔درس مغفرت، مطبوعہ ۱۴۰۴ھ ۱۰۔گلدستہ فاخرہ، مطبوعہ ۱۴۰۵ھ ۱۱۔تذکرہ مشاہیر کوپاگنج، مطبوعہ ۱۴۰۵ھ اور حالات المصنفین جیسی کتابیں ہیں۔ان کتابوں سے آپ کی علمی شخصیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔کتابوں کی یہ فہرست انھیں کی کتاب ''تذکرہ مشاہیر کوپاگنج'' کے صفحہ نمبر ۱۶۰ پر ذکر کی گئی ہیں۔

الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)، مولانا زین العابدین[1] (سابق صدر شعبہ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور)، مولانا امانت اللہ معروفی، مولانا عبد الروف معروفی، مولانا امام الدین معروفی [سابق صدر مدرس مدرسہ معروفیہ پورہ معروف) وغیرہ بستی کی قابل فخر شخصیتیں ہیں جنہوں نے متعدد کتابیں تحریر کیں اور پروانچل کے پڑھے لکھے طبقے میں مشہور تھے۔

اگر بستی کے معاصر معاشرہ پر نگاہ کریں تو یہاں کے پڑھے لکھے علماء و افاضل ہندوستان اور ہندوستان کے باہر تک پھیلے ہوئے ہیں اہل سنت حضرات کے بہت سے عالم دین مختلف علاقوں میں مذہب اسلام کی خدمت کرنے میں مصروف ہیں مثلاً مولانا نعمت اللہ معروفی (صدر شعبہ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند)، مفتی عبداللہ معروفی (استاد تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند)، مولانا رضوان الدین معروفی (شیخ الحدیث اشاعت العلوم اکل کو، مہاراشٹر) مولانا حبیب الرحمان معروفی (استاد حدیث مظہر العلوم، بنارس)، مولانا محمد ارشد معروفی (استاد دارالعلوم دیوبند) وغیرہ۔

اسی طرح شیعہ علمائے کرام بھی ہندوستان اور دنیا کے مختلف ممالک میں دین کی تبلیغ کر رہے ہیں جیسے مولانا محمد مظہر حسین قبلہ گجرات، مولانا محمد حسن معروفی جو تقریباً بیس سال سے لندن میں مقیم ہیں اور دنیا کے مختلف ممالک آسٹریلیا، جاپان، چین، امریکا، ناروے جیسے ممالک میں دینی امور کی انجام دہی کے لئے

---

[1] ۔مولانا زین العابدین مرحوم اہل سنت مذہب کے بہت بڑے عالم تھے آپ ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۲ء میں اپنے وطن پورہ معروف میں پیدا ہوئے۔آپ علم حدیث کے مشہور عالم تھے، ملک اور بیرون ملک میں کچھ ایسے گنے چنے لوگوں میں تھے جن کو اس فن پر عبور تھا اسی صلاحیت کے مدنظر معروف تعلیمی دینی درسگاہ مظاہر العلوم سہارنپور کے شعبہ تخصص فی الحدیث کے صدر بنائے گئے تھے جہاں آپ نے ایک عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔اصول حدیث، اسمائے رجال اور حدیث کے علوم میں ان کو بڑا کمال اور عبور حاصل تھا جن پر آپ کی مختلف کتابیں شاہد ہیں: علامہ طاہر پٹنی کی کتاب ''المغنی'' امام ذہبی کے اسمائے رجال پر مبنی کتابوں پر ''یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل''، ''الاعلام المحدثین'' کے علاوہ ''امور الستۃ''، ''نخب من اسماء الرجال الصحاح''، رحمان علی کی فارسی کتاب ''تذکرہ علمائے ہند'' کا اردو ترجمہ، اور عقائد کی مشہور کتاب شرح عقائد کی شرح ''التعلیقات السنیہ'' اور اسی موضوع پر ''عقیدہ نما علمی احتساب'' جیسی کتابیں بھی مولانا مرحوم کی علمی صلاحیتوں کی شہادت دیتی ہیں۔ساتھ ہی آپ بخاری کی شرح امداد الباری (شیخ عبد الجبار اعظمی) کی تکمیل کا کام کر رہے تھے، آپ بیتی پر مشتمل تقریباً ڈیڑھ سو صفحات اپنی سوانح تحریر کر چکے تھے۔لیکن اجل نے موقع نہیں دیا اور داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے ۲۸ / اپریل ۲۰۱۳ء کو دنیا سے رخصت ہو گئے۔

جایا کرتے ہیں۔ مولانا دلبر حسنین معروفی (اجین)، مولانا اختر حسنین معروفی (تمل ناڈو)، مولانا محمد نقی، مولانا غضنفر نواب معروفی (استاد جامعہ سلطانیہ لکھنؤ)، مولانا مظفر نقی (مقیم ایران)، مولانا شبیر حسن زینبی (موسس حوزہ امام حسین علیہ السلام، سیریا اور مدرسہ عقیلہ بنی ہاشم لکھنؤ)، مولانا رضوان عباس معروفی وغیرہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں دینی امور کی انجام دہی میں مصروف عمل ہیں۔ مولانا ارشاد حسین معروفی (سابق استاد مدرسہ باب العلم مبارکپور) ومولانا خیرات الحسنین (استاد مدرسہ جعفریہ کوپا گنج) اپنی علمی اور تدریسی صلاحیتوں کے اعتبار سے پورب کے شیعہ اور سنی سماج میں معروف ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سے علماء ہیں جو اپنی تقریری اور تدریسی صلاحیت کی بنا پر مختلف علاقوں میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

شعر وشاعری کے فن پر اگر نگاہ ڈالی جائے تو پورہ معروف کی بستی ہر صنف شاعری میں مشہور ہے۔ یہاں کے شعراء پروانچل بلکہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اپنی شہرت حاصل کر چکے ہیں جن میں مولانا محمد عثمان عاصی معروفی[۱]، انجم معروفی مرحوم، مولانا فاروق اختر، اکرام الدین رونق، علامہ ادریس فائق، معین الدین شاکر، عبدالرب اسیر، مولانا زین العابدین عابد، مولوی اقبال مہدی عزمی معروفی، کوثر معروفی[۲]، ڈاکٹر فیضی معروفی، کلیم معروفی، مولانا انصار احمد معروفی[۳]، مولانا محمد زبیر معروفی[۴]، مولانا رضوان معروفی، مولانا مظہر معروفی[۵]، معصوم حیدری، اسلم معروفی وغیرہ کا نام لیا جا سکتا ہے۔

۱۔ مولانا محمد عثمان معروفی کا تخلص عاصی تھا اور آپ کے شعری مجموعہ کا نام ''گلدستہ فاخرہ'' ہے۔

۲۔ جناب کوثر معروفی دیار مشرق کے استاد الشعراء ہیں۔ انہوں نے ہر صنف سخن پر طبع آزمائی کی ہے اور آپ کا شعری مجموعہ حال ہی میں ''نغمات کوثر'' نام سے المعارف دار المطالعہ، پورہ معروف سے شائع ہوا ہے جسے قابل قدر محقق مولانا اسامہ ارشاد معروفی قاسمی نے ایک خوبصورت اور جامع و مانع مقدمہ کے ساتھ مرتب کیا ہے۔

۳۔ مولانا انصار احمد کا شعری مجموعہ ''یہ کائنات'' کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے۔

۴۔ مولانا محمد زبیر معروفی (مقیم حال ایولہ ناسک) جن کے تین شعری مجموعے ''اے وطن تیرے لیے''، ''ذکر شاہ انبیاء''، سلام اس پر'' اب تک شائع ہو چکے ہیں۔

۵۔ مولانا افتخار حسین، مظہر معروفی کے سلام اور نوحوں کا شعری مجموعہ ''شعور مظہر'' کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے۔

اگر عصری تعلیم پر نظر ڈالیں تو اس میدان میں بھی پورہ معروف کے لوگ خاصے آگے نظر آئیں گے جیسا کہ ڈاکٹر مہدی اصغر، ڈاکٹر قیصر حسین، ڈاکٹر شہنشاہ حسین، ڈاکٹر خورشید انور ابن ناصر رضی مرحوم، جناب فرمان علی ابن یعقوب حسین مرحوم، جناب محمد عسکری ابن یعقوب حسین مرحوم، ڈاکٹر نجوم اصغر ابن ناصر رضی مرحوم، ڈاکٹر محمد اطہر حسین ابن مولانا مظہر حسین، ڈاکٹر مولانا ذیشان حیدر ابن مولانا ارشاد حسین، ماسٹر امتیاز حسین ابن ڈاکٹر مہدی اصغر، ماسٹر سلمان حیدر ابن مولانا ارشاد حسین، ماسٹر اختر عباس ابن مکرم عباس مرحوم، ماسٹر اختیار حسین صفدر ابن جناب مہدی اصغر، ماسٹر علی اصغر ابن جناب عون محمد، ماسٹر محمد شعیب ابن جناب محمد انیس وغیرہ اور اسی طرح اہل سنت حضرات میں ڈاکٹر ابوسعد ابن حاجی محمد عثمان، ڈاکٹر محمد عمران، ڈاکٹر احسان الحق ابن مولانا محمد ارشد، ڈاکٹر محمد حمران ابن عبدالغفار پردھان، ڈاکٹر محمد عدنان ابن رضوان، ڈاکٹر محمد اسعد ابن مولانا نعمت اللہ، ڈاکٹر ایمن ابن مولانا لطیف الرحمان وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ یقیناً ان کے علاوہ بھی بہت سے دیگر ایسے افراد ہوں گے جو جدید اور عصری تعلیم میں نمایاں ہیں۔

اسی طرح اگر پورہ معروف میں موجود علمی وثقافتی اداروں کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ قدیم الایام سے اس چھوٹی سی بستی میں علمی بیداری رہی ہے اور مسلسل ترقی کی طرف گامزن ہے۔ ذیل میں کچھ اداروں کا اجمالی تعارف پیش کیا جارہا ہے:

مدرسہ معروفیہ (قیام ۱۳۳۰ھ معیار تعلیم: پرائمری تا پنجم، شعبہ ناظرہ وحفظ وقراءت، فارسی و عربی تا ششم بہ نصاب دارالعلوم دیوبند)۔

مدرسہ اشاعت العلوم (قیام ۱۳۵۶ھ، معیار تعلیم: پرائمری تا پنجم، شعبہ ناظرہ وحفظ وقراءت، فارسی وعربی تا ششم بہ نصاب دارالعلوم دیوبند)۔

مدرسہ سراج العلوم (قیام ۱۳۸۰ھ، معیار تعلیم: پرائمری تا پنجم، شعبہ ناظرہ وحفظ وقراءت، فارسی وعربی تا ششم بہ نصاب دارالعلوم دیوبند)۔

مدرسہ امامیہ (قیام ۱۹۶۸ء، معیار تعلیم: پرائمری تا پنجم، بہ نصاب تنظیم المکاتب لکھنؤ)۔

مدرسہ باقرالعلوم نسواں (قیام ۱۹۹۰ء، معیار تعلیم؛ پرائمری تا پنجم، بہ نصاب تنظیم المکاتب لکھنؤ)۔

مدرسہ شیعہ امامیہ (معیار تعلیم؛ پرائمری تا پنجم، پرائمری تا پنجم، ہندی، انگریزی، حساب،)۔

مدرسہ ضیاء العلوم (قیام ۱۳۹۶ھ، معیار تعلیم؛ پرائمری تا پنجم، ہائی اسکول، شعبہ ناظرہ وحفظ و قراءت، فارسی وعربی تا ششم بہ نصاب دارالعلوم دیوبند)۔

جامعہ ام حبیبہ نسواں (قیام ۱۴۱۵ھ، معیار تعلیم؛ شعبہ دینیات پانچ کے کورس مع عصری مضامین، شعبہ تجوید وقراءت، عربی اول تا دورہ حدیث شریف)۔

الجامعۃ الاسلامیہ ہاجرہ للبنات نسواں (قیام ۲۰۰۶ء، معیار تعلیم؛ پرائمری تا سوم، شعبہ تجوید و قراءت، فارسی وعربی اول تا دورہ حدیث شریف)۔

الجامعۃ المحمودیہ للبنات نسواں (قیام ۱۴۲۹ھ، معیار تعلیم؛ از ابتدا تا درجہ دہم، قرآن کریم، عقائد، فقہ، سیرت، اسلامی تربیت، عربی، اردو [بہ نصاب ادارہ ''دینیات'' فائن ٹیچ بمبئی]، ہندی، انگریزی، حساب، امور خانہ داری وغیرہ نیز سلائی کڑھائی کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔

مدرسہ المعھد الاسلامی العلمی (قیام ۱۴۰۹ھ، معیار تعلیم؛ پرائمری تا پنجم مع ناظرہ وحفظ و قراءت)۔

مدرسہ تعلیم القرآن (قیام ۲۰۰۰ء، معار تعلیم؛ پرائمری تا پنجم، شعبہ ناظرہ وحفظ وقراءت)۔

مدرسہ اسلامیہ (قیام ۲۰۰۴ء، معیار تعلیم؛ پرائمری تا پنجم، شعبہ ناظرہ وحفظ وقراءت)، یہاں دارالافتاء بھی قائم ہے جہاں فتوی نویسی کا کام ہو رہا ہے۔

جامعہ ابوھریرہ (قیام ۲۰۱۰ء، معیار تعلیم؛ پرائمری تا پنجم، شعبہ ناظرہ وحفظ وقراءت)۔

مدرسہ مصباح الھدی (قیام ۲۰۱۵ء، معیار تعلیم، پرائمری تا پنجم، پرائمری تا پنجم، ہندی،

انگریزی، حساب،)[1]۔

دارالاشاعت انجمن مظلومیہ (قیام ۱۹۷۴ء): یہ ادارہ مولانا تفضّل مہدی مرحوم کی مساعی جمیلہ سے دینی، مذہبی کتابوں اور کتابچوں کی اشاعت اور معارف دینی کو لوگوں تک پہنچانے کی غرض سے کھولا گیا تھا۔ اس ادارے سے متعدد کتابیں اور کتابچے شائع ہو چکے ہیں لیکن ۱۹۹۳ء میں مولانا موصوف کے انتقال کے بعد سے ادارے کی کارکردگی موقوف ہے۔

النادی الاسلامی (قیام ۱۴۱۸ھ): اس کے زیر اہتمام قرب وجوار کے دیہاتوں میں تین جگہ قرآنی مکاتب تعلیم وتربیت میں مصروف ہیں)۔

المعارف دارالمطالعہ (قیام ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹۹۹ء): یہ ایک خالص دینی لائبریری ہے۔ جہاں مختلف علوم وفنون کی بہت سی کتابیں موجود ہیں۔

المعروف ویلفیر سوسائٹی (قیام ۱۴۳۰ھ): یہ تنظیم ضرورت مندوں، یتیموں اور بیواؤں کی امداد کے لیے قائم کی گئی ہے۔

مذکورہ اداروں کے علاوہ یہاں سے متعدد دینی ومذہبی، ادبی رسالے شائع ہوتے ہیں، جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

المعارف: یہ ایک دو ماہی قلمی رسالہ ہے، جو لائبریری ''المعارف دارالمطالعہ'' سے مولانا اسامہ ارشاد معروفی اور مولانا مطیع اللہ مسعود قاسمی کی نگرانی میں نکل رہا ہے۔

پیغام: یہ ایک قلمی ماہنامہ رسالہ ہے جو عرصہ دراز سے مولانا انصار احمد قاسمی کی ادارت میں نکل رہا ہے۔

ان مذکورہ توضیحات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس چھوٹی اور کم آباد بستی نے علمی لحاظ سے کتنی ترقی کی ہے۔

---

[1]۔ اہل سنت حضرات کے علمی وثقافتی اداروں کی معلومات مولانا اسامہ ارشاد معروفی کی کتاب ''گلدستہ مضامین'' سے ماخوذ ہیں۔

۲۔جغرافیہ

پورہ معروف کی یہ چھوٹی سی بستی ہندوستان کے شمال اور مشرقی یوپی میں واقع ہے جس کے اطراف میں قاسم پورہ، کوپاگنج، فتحپور، ندواسرائے اور میر پور جیسے علاقے موجود ہیں۔البتہ ایک بات خاص طور سے قابل غور ہے جس کی طرف مولانا عثمان معروفی نے بھی متوجہ کیا ہے کہ پورہ معروف کے اطراف کی اکثر و بیشتر آبادیاں مسلمانوں ہی کے نام سے موسوم ہیں اور اب تک تھوڑی تبدیلی کے ساتھ انھیں ناموں سے پکاری جاتی ہیں جیسے پورہ معروف سے پچھم کی طرف کرتھی جعفر پور، شمال مغرب میں قطب پور، مولانا پور (ملنا پور)، نظام الدین پور، مغرب میں مصطفی آباد، جمالپور، میر پور، رحیم آباد، جنوب میں قاسم پور، بیضا پور، جنوب مشرق میں جہانیاں پور، غوث پور، چاند پور، مشرق میں فیض اللہ پور شمال میں بشارت پور، فتح پور وغیرہ جبکہ کسی کسی آبادی میں ایک بھی مسلم خاندان موجود نہیں ہیں اور اگر ہیں بھی تو نہ ہونے کے برابر ہیں۔اس لیے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قدیم زمانہ میں یہ علاقے مسلمانوں کے زیر تصرف تھے اور دور دور تک مسلمانوں ہی کا عمل دخل رہا ہے[1]۔

---

[1]۔تذکرہ مشاہیر پورہ معروف، ص ۱۰

ذیل میں ہندوستان کے نقشہ میں کالے رنگ سے ضلع مئو کی نشاندہی کی گئی ہے۔جس سے ضلع مئو اور پورہ معروف کے جائے وقوع کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اتر پردیش کے اس نقشہ میں ہلکے رنگ کے ذریعہ ہم نے ضلع مئوناتھ بھنجن کو واضح کیا ہے۔اور اسی کے اندر کالے رنگ سے پورہ معروف کی نشاندہی کی گئی ہے۔

ضروری تھا کہ ضلع مئو کا نقشہ بھی اپنے تمام ماتحت گاؤں اور منطقہ کے ساتھ لایا جائے لہذا نیچے دیا
گیا نقشہ ضلع مئو کا ہے۔

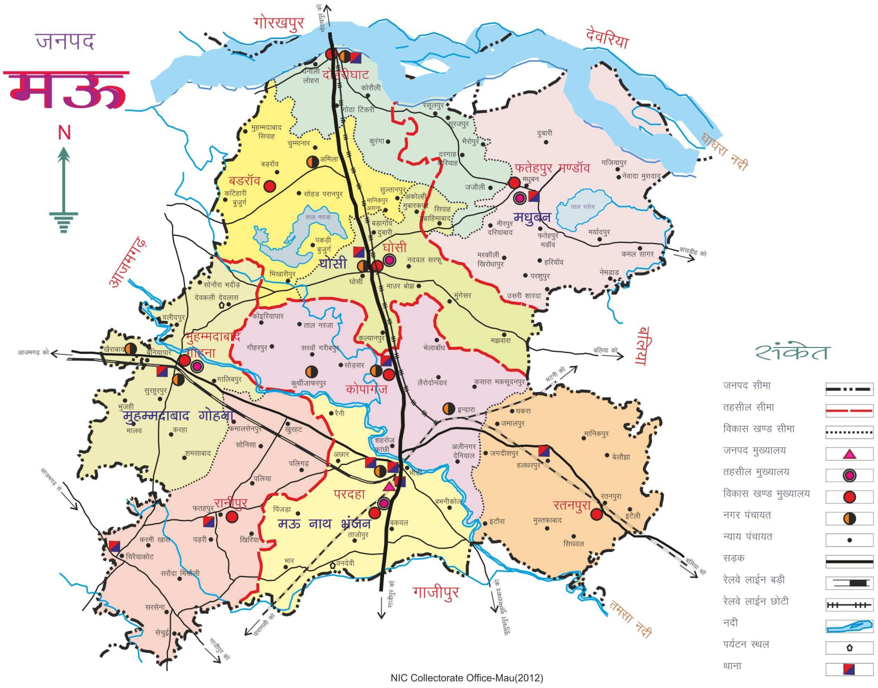

نیچے کی تصویر ضلع مئو کے نقشے کا ایک حصہ ہے جو پورہ معروف (کرتھی جعفر پور) کا علاقہ ہے۔

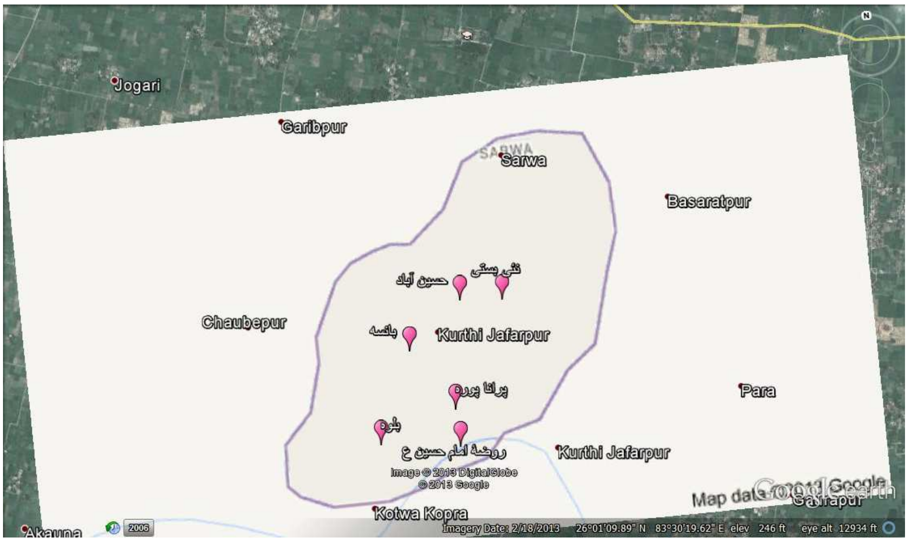

ذیل میں گوگل ارتھ سے لی گئی وہ تصویر ہے جس میں پورہ معروف (کرتھی جعفر پور) کی پوری بستی کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اور ہم نے اس بستی کے بڑے بڑے محلوں کو نام کے ذریعہ واضح کیا ہے ساتھ ہی ساتھ روضہ امام حسین علیہ السلام کی بھی نشاندہی کی ہے۔

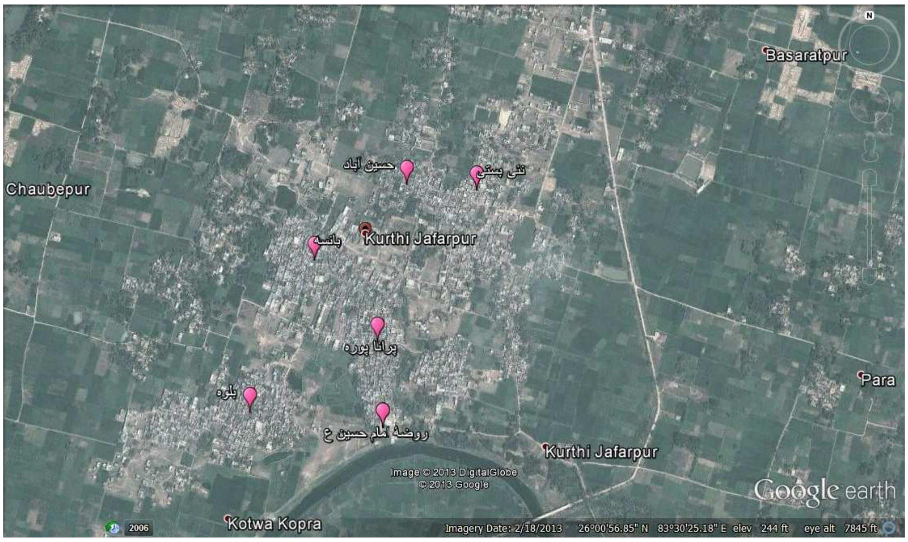

الف: آبادی

پورہ معروف کی حدود(6sq.Km) کیلومیٹر مربع } ہے اور عالمی نقشہ پیمائی کے لحاظ سے اس بستی کا طول وعرض 25’55’52N,83 ’37’41E ہوتا ہے[۱]۔ ۲۰۰۱ء کی سرکاری مردم شماری کے مطابق اس بستی کی آبادی ۱۱۹۴۷ / افراد پر مشتمل تھی[۲] جو ۲۰۱۱ء کی مردم شماری کے بعد بڑھکر ۱۴۱۵۷ ہوگئی ہے[۳] ۔جس کو آپ ذیل کے پہلے نقشے میں مشاہدہ کرسکتے ہیں۔ اور دوسرے نقشہ میں آبادی کی بڑھتی ہوئی شرح

۱۔ نقشہ پیمائی کے لئے گوگل ارتھ پہ رجوع کیا جاسکتا ہے۔ [googleearth]

۲. Final Population of cities and towns by Population Range 2001)including outgrouths(page. 55

۳۔ اس کالم کو انٹرنیٹ کے ذریعہ معلوم کیا جاسکتا ہے۔ www.citypopulation.de,2013

کا گراف بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

نقشہ نمبر ۱

CENSUS TOWN				
Name	District	Populatin Census 01/03/1991	Populatin Census 01/03/2001	Populatin Census 01/03/2011
Kurthi Jafapur	Mau	972,8	947,11	157,14
Area: 6sq.km-Density: 2,359.5inh./sq.km (2011) Change:+ 1.71% /year (2001 - 2011)				

نقشہ نمبر ۲

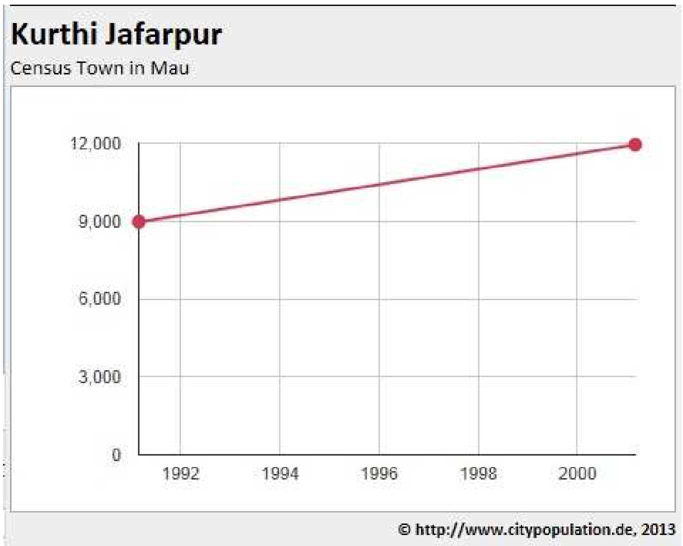

مولانا عثمان معروفی کے بقول یہ بستی عرصہ دراز سے ایک مسلم وحدت کی حیثیت سے چلی آرہی ہے اور یہ وحدت گیارہ پوروں (یعنی محلوں) کے ساتھ وابستہ ہے اضافہ آبادی کی وجہ سے گیارہ کے بجائے بیسیوں محلے ہو چکے ہونگے تاہم بہ حیثیت وحدت گیارہ پورہ ہی زبان زد ہے۔ اطراف کے پھیلے ہوئے چند میل کے دیہی علاقے پورہ معروف ہی کے ساتھ ملحق ہیں دینی و دنیاوی جملہ معاملات شادی بیاہ کی رسومات اور تمام مذہبی تقریبات کی ادائیگی کے لئے پورہ معروف ہی کو مرکزیت حاصل رہی ہے۔ آج بھی ان علاقوں سے جمعہ وعیدین میں اسی مرکز پر جمع ہونا پچھلے مبارک زمانہ کی یادگار ہے اس وحدت میں موضع پارہ، بشارت پور، فیض اللہ پور، قاسم پور، بیضا پور، اورسون برساں وغیرہ بھی شامل ہیں[1]۔ البتہ موجودہ وقت میں آبادی کے بڑھنے اور نئے نئے محلے وجود میں آنے کی وجہ سے تقریباً ہر محلے میں مسجدیں تعمیر ہوگئی ہیں جہاں پر لوگ نماز جمعہ ادا کرتے ہیں لیکن آج بھی نماز عیدین کی بجا آوری کے لئے پورہ معروف کی عیدگاہ ہی میں آتے ہیں اور اس قدیم نکتہ اتحاد پر قائم ہیں۔

ب: موسم (آب وہوا)

پورہ معروف ایک ایسی بستی ہے جہاں نہ گرمیوں میں آگ برستی ہے اور نہ جاڑوں میں برف پڑتی ہے۔ برسات بہار اپنے ساتھ لاتی ہے تو درودیوار پر سبزہ اُگ آتا ہے، دن کو پھولوں کی پنکھڑیاں، رات کو آگ کی چنگاریاں ہوا میں اُڑتی ہیں۔ کالی گھٹا جھوم کے آتی ہے، بجلی کڑکتی ہے، بادل گرجتا ہے اور اندھیرا گھپ ہو جاتا ہے۔ کبھی زور کی بارش کے بعد گھٹا کے پردے کو چاک کرکے سورج جھانکتا ہے اور پھر چھپ جاتا ہے، کبھی پھوہار پڑتی ہے، کبھی موسلا دھار پانی گرتا ہے۔ کبھی جھڑی لگتی ہے، کبھی پانی برس کے نکل جاتا ہے اور دھوپ کے ساتھ قوس وقزح (Rainbow) نکل آتی ہے۔ کھیتوں میں تاحد نظر سبزہ لہلہاتا ہے، ندی جوش مارتی ہے، تالاب اُبل جاتے ہیں، قازوسرخاب، بگلے اور سارس غول کے غول پانی پر کرتے ہیں، کوئل کوکتی ہے، پپیہا بولتا ہے، مور مست ہو کے ناچنے لگتا ہے۔ انسانوں کو بھی موسم گدگداتا ہے۔ درختوں

---

[1]۔ تذکرہ مشاہیر پورہ معروف، ص ۱۰

میں جھولوں کے لمبے پینگ اور اس پر گیتوں کی لمبی تانیں کیف و مستی کی غمازی کرتی ہیں۔ عورتیں راستوں اور کھیتوں کی کھلی فضا میں ساون گاتی پھرتی ہیں۔

اگر پورے سال کے درجہ حرارت کا جائزہ لگایا جائے تو اندازاً اوسط درجہ حرارت 4C.33 نکلتی ہے اور حد اقل 6C.16۔ جبکہ حد اکثر 6C.40 ہے جن کی نشاندہی باقاعدہ طور پر نیچے دیئے گئے کالموں کے ذریعہ کی گئی ہے۔ دوسرے نمبر کے کالم میں پورے معروف کے پورے سال کی درجہ حرارت کو بخوبی دکھایا گیا ہے۔ جس سے بستی کے پورے سال کی آب و ہوا کا اور ان کے تغیرات کا اندازا لگایا جا سکتا ہے[1]۔

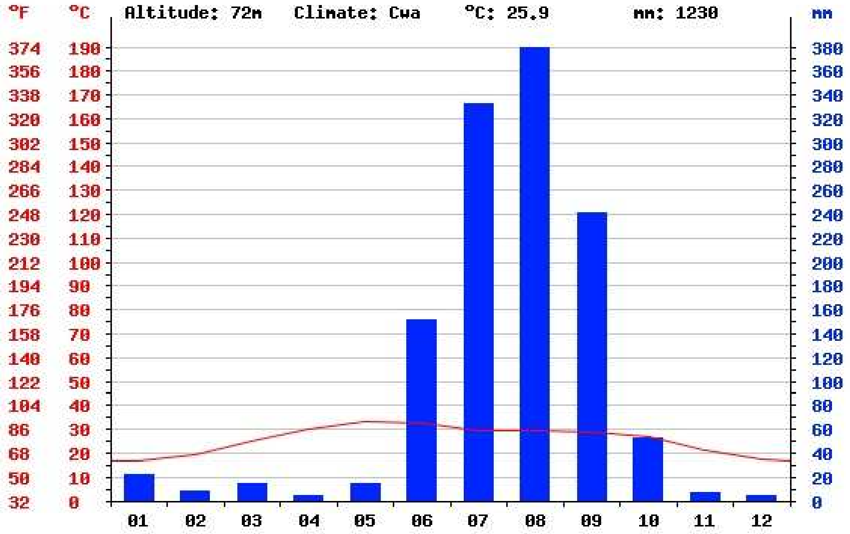

۱۔ درجہ حرارت کے کالموں کو انٹرنیٹ کے ذریعہ معلوم کیا جاسکتا ہے جو بھی اس کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنا چاہے وہ انٹرنیٹ پر اپنے مطلوبہ مقام کو سرچ کر کے معلوم کرسکتا ہے مثلاً اس طرح لکھ کر climate of kurthi jafarpur (راقم الحروف)

ذیل کے نقشے کو انگریزی مہینوں کے ذریعہ ترتیب دیا گیا ہے مثلاً یہاں پر ۱ تا ۱۲ سے مراد جنوری سے لیکر دسمبر تک کا مہینہ ہے۔

month	1	2	3	4	5	6	7	8	9	10	11	12
mm	22	8	14	5	14	151	332	379	241	53	7	4
°C	16.6	19.4	25.1	30.2	33.4	32.6	29.7	29.3	28.7	26.8	21.5	17.5
°C (min)	9.9	12	17.2	22.2	26.3	27.3	26.3	26.2	25.4	21.3	13.9	10
°C (max)	23.3	26.9	33.1	38.3	40.6	38	33.1	32.4	32.1	32.4	29.1	25.1
°F	61.9	66.9	77.2	86.4	92.1	90.7	85.5	84.7	83.7	80.2	70.7	63.5
°F (min)	49.8	53.6	63	72	79.3	81.1	79.3	79.2	77.7	70.3	57	50
°F (max)	73.9	80.4	91.6	100.9	105.1	100.4	91.6	90.3	89.8	90.3	84.4	77.2

ج: صنعت

قدیم زمانوں میں یہاں کے مسلمانوں کا عام پیشہ زراعت وکاشتکاری تھا مگر چونکہ ہینڈلوم کپڑوں کی بہت بڑی منڈی مئوناتھ بھنجن میں ہے جہاں آمدورفت اور مال کی رسد کے لیے قریب ہونیکی وجہ سے کافی سہولت رہتی ہے اس لئے اکثر و بیشتر لوگوں نے اسی صنعت کو اختیار کرلیا[۱]۔ پورہ معروف میں پہلے نیل کی کاشت اور اس کی تجارت ہوا کرتی تھی، اسی طرح دیسی شکر کے کارخانے بھی تھے جن میں نہایت عمدہ اور لذیذ شکر تیار ہوتی تھی اور اس کے علاوہ ہینڈلوم کی صنعت بھی اچھی خاصی تھی لیکن مرور ایام کے ساتھ اب یہ صنعتیں نہیں رہیں اور ہینڈلوم کی جگہ پاورلوم کی صنعت اس کا حصہ بن چکی ہے [۲]۔ اب اکثر لوگوں کا ذریعہ

---

[۱]۔ حیات طاہر، ص ۲۳

[۲]۔ تذکرہ مشاہیر پورہ معروف، ص ۱۰، اور گلدستہ مضامین، پورہ معروف: ایک اجمالی تعارف، اسامہ ارشاد معروفی، ص ۱۶، ناشر المعارف دار المطالعہ، پورہ معروف ۲۰۱۵ء

کسب وذریعہ معاش کپڑے کی صنعت ہے جس میں یہاں کے کاریگر حد کمال کو پہونچے ہوئے ہیں کاشتکاری کا پرانا پیشہ بڑی حد تک ختم ہو کے رہ گیا ہے جو اب صرف یہاں کے بعض ہندوں کے یہاں باقی ہے۔

د: مذہبی رجحانات

اس بستی میں تین مذہبی رجحانات پائے جاتے ہیں جو اپنے اپنے مذہبی جشن اور رسومات کو آزادی سے انجام دیتے ہیں جن میں سے ایک ہندو مذہب کے لوگ ہیں اور دوسرے سنی مذہب کے پیروکار افراد {مولانا عثمان معروفی کے بقول پورہ معروف میں موجود سارے اہل سنت حضرات سنی المذہب حنفی المشرب ہیں[۱]} اور تیسرے شیعہ اثناعشری حضرات ہیں۔بستی میں پائے جانے والے تمام مذاہب کے لوگ بڑی ہی محبت اور بھائی چارگی کے ساتھ رہتے ہیں۔

۳۔ پورہ معروف تاریخ کے آئینہ میں

پورہ معروف ایک قدیم اور بہت ہی پرانی بستی ہے لیکن ہمارے لئے افسوس کا مقام یہ ہے کہ کسی کتاب میں یا کسی بزرگ کے پاس اس کے آباد ہونے کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ہے شاید کسی نے اس کی طرف توجہ بھی نہیں کی البتہ مولانا محمد عثمان معروفی نے اپنی کتاب ''حیات طاہر'' میں پورہ معروف کی تاریخ کے بارے میں مفید باتیں تحریر کی ہیں لیکن پورہ معروف کب بسا؟ کس نے بسایا اور وہ کون افراد تھے جنھوں نے سب سے پہلے اس علاقہ میں قدم رکھا؟ ان سوالوں کا جواب اگر ان کی کتاب میں بھی ڈھونڈھا جائے تو کوئی دقیق اطلاع نہیں ملتی، بلکہ یوں رقمطراز ہیں کہ: پورہ معروف بہت پرانا قصبہ ہے ہر چند اس کے زمانہ قدامت کو متعین کرنے کے لئے کافی تلاش وجستجو کی گئی لیکن تاہنوز کوئی سراغ نہ مل سکا تاہم یہاں کچھ ایسے نشانات وآثار پائے جاتے ہیں جو زبان حال سے اپنی کہنہ سالی کا فسانہ دہرا رہے ہیں[۲]۔ان آثار

۱۔حیات طاہر،ص ۱۴۶

۲۔ایضا،ص ۱۴۶

قدیمہ سے اتنا علم ہوجاتا ہے کہ یہ بستی بہت ہی پرانی ہے لیکن تاریخی لحاظ سے کوئی معلومات فراہم نہیں ہوتی البتہ مولانا عثمان معروفی نے جو وجہ تسمیہ بتایا ہے اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ بستی ہندوستان میں مسلمانوں کے ورود کے بعد آباد ہوئی ہے جیسا کہ وہ لکھتے ہیں: مشہور ہے کہ اشاعت اسلام کے کچھ ہی عرصہ بعد بیرونی مسلمانوں کے قافلے جب ہندوستان میں داخل ہوئے تو سات بھائیوں کا قافلہ اطراف پورہ معروف میں بھی آبسا، انہیں سے ایک بھائی شیخ معروف نامی شخص یہاں آباد ہوگئے اور انہیں کے نام سے یہ بستی موسوم ہوگئی پہلے اس قصبہ کو''شیخ معروف کا پورہ'' کہا جاتا تھا۔ پھر ادنیٰ تغییر سے ''پورۂ شیخ معروف'' ہوا اور اب صرف ''پورہ معروف'' مشہور ہے[۱]۔

قاضی اطہر مبارکپوری اپنے مضمون ''تاریخ اعظم گڑھ'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ سالار مسعود غازی (متوفی ۴۲۴ھ) نے سپہ سالار بختیار کے ہمراہ اعظم گڑھ اور اس کے اطراف میں فتوحات انجام دی تھیں جس میں ان لوگوں کے ساتھ مسعود غازی کے بہت سے رفقائے ملک بھی آئے تھے جو یہاں کے مختلف علاقوں میں بس گئے تھے اور بعد میں ان کے ناموں سے بعض بستیاں موسوم ہوگئیں جیسا کہ مئو میں ''ملک طاہر پورہ'' اور ''ملک قاسم پورہ'' ملک طاہر اور ''ملک قاسم'' کے نام سے موسوم ہیں۔ ''ملک بہروز'' کے نام پر ''بہروز پور'' آباد ہے اور اس طرح ملک بشارت کے نام پر موضع ''ملک بشارت پور'' پورہ معروف کے شمال کی طرف تقریباً ایک میل پر واقع ہے[۲]۔

مذکورہ اطلاع سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس بستی میں مسلمانوں کا ورود بھی سلطان مسعود کے زمانے سے ہی ہوا ہے یعنی تقریباً پانچویں صدی ہجری کے اوائل یا اواسط میں یہاں مسلمانوں نے قدم رکھا اور رفتہ رفتہ یہاں مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ ہوتا گیا۔

---

[۱]۔ ایضاً ص ۲۰-۲۱

[۲]۔ تاریخ اعظم گڑھ، قاضی اطہر مبارکپوری، مجلہ البلاغ ۱۹۶۶ء

آثار قدیمہ

کسی بھی علاقہ کی قدامت کا اندازہ وہاں پر موجود آثار قدیمہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ پورہ معروف میں کچھ ایسی قدیمی عمارتیں موجود تھیں جو اس کی قدامت پر روشنی ڈالتی تھیں لیکن ان عمارتوں میں سے بیشتر کے نشانات اب محو ہو چکے ہیں یا ان کی تجدید ہو چکی ہے سوائے ایک قدیمی عمارت کے جو روضہ امام حسین علیہ السلام کے نام سے موسوم اور محلہ پرانا پورہ میں ندی کے کنارے واقع ہے۔ بہرحال وہ عمارتیں یا وہ تاریخی آثار جو ساٹھ سال پہلے تک موجود تھے لیکن گردش ایام کی وجہ سے اب ان کے نشانات باقی نہیں ہیں ان کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

الف: جامع مسجد

پورہ معروف کی قدیم ترین مسجد جامع محلہ بلوہ میں واقع ہے جیسا کہ جناب عثمان معروفی نے لکھا ہے کہ یہ مسجد بہت پرانے زمانہ کی یادگار تھی جس کی طرز تعمیر شاہی دور کی تھی۔ لیکن پرانی تعمیر پر کوئی کتبہ موجود نہ تھا جس سے تاریخ کا تعین کیا جائے، لیکن تیرہویں صدی میں مسجد کی جب دوبارہ توسیع عمل میں آئی تو اس کی دیوار پر ایک پتھر لگایا گیا جس پر ۱۲۳۶ھ کندہ تھا، تیسری مرتبہ ۱۳۶۵ھ میں تمام پرانے نشانات کو منہدم کر کے از سر نو جدید طرز پر مسجد کی تعمیر کی گئی[۱]۔ اس وقت پورہ معروف کی عالیشان مسجدوں میں سے ایک اچھی اور دو منزلہ مسجد ہے۔

البتہ اس بات کی یاد آوری بھی ضروری ہے جس کے بارے میں جناب عثمان معروفی نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ جامع مسجد سے متصل ایک بڑا کمرہ تھا اور اس کا دروازہ مسجد کے اندر کھلتا تھا، دالان کے سامنے ایک چھوٹا سا برآمدہ بھی تھا اور اس دالان میں ایک بہت بڑا تعزیہ رکھا رہتا تھا، تعزیہ کی جسامت کے حسب حال اس کا دروازہ بھی بہت چوڑا لگا ہوا تھا اور اس تعزیہ کا چوک فرش مسجد کے وسط میں بنا ہوا تھا بعد میں مولانا

---

[۱]۔ حیات طاہر، ص ۱۸

طاہر کی تبلیغ کے نتیجہ میں تعزیہ کو ٹونس ندی میں پھینک دیا گیا اور چوک کو توڑ دیا گیا[1]۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ اکثر مسجد کے گوشہ میں یا مسجد سے متصل کسی کمرہ میں تعزیہ رکھا جاتا تھا اور تعزیہ کا چبوترہ جس کو عام طور سے چوک کہا جاتا ہے مسجد کے فرش پر یا مسجد کے سامنے صحن میں بنایا جاتا تھا اور عیدگاہ سے بھی اس کا جوڑ رکھا جاتا تھا چنانچہ آج بھی بعض مسجدوں اور عیدگاہوں سے ملحق امام باڑے اور چوک کہیں کہیں دیکھے جاتے ہیں[2]۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پرانے زمانے میں چونکہ تمام مسلمان عزادار تھے اور تعزیہ داری کرتے تھے اس لیے مسجد اور امام چوک ایک ساتھ ہوا کرتے تھے تقریبا علاقہ کی تمام قدیم مسجدوں کے ساتھ چوک موجود تھا لہذا مسجدیں اہلسنت حضرات کے قبضہ میں چلی گئیں اور چوک شیعوں کے حوالے ہو گئے۔

ب: روضۂ امام حسین علیہ السلام

محلہ پرانا پورا ندی کے کنارے ایک قدیم عمارت بنی ہوئی ہے جو روضۂ امام حسین علیہ السلام کے نام سے موسوم ہے۔ یہ عمارت ابھی بھی اسی اصلی بناوٹ اور قدیمی شکل میں باقی ہے۔ اگرچہ کئی مرتبہ اسے مرمت کیا جا چکا ہے لیکن اس عمارت کے قدیمی ہونے کے باوجود ہمیں نہایت افسوس ہوا کہ جہاں مولانا عثمان معروفی نے اس بستی کے تمام آثار قدیمہ کا تذکرہ کیا ہے وہاں اس روضہ کی پرانی عمارت کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ نہیں معلوم انہوں نے کیوں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا، لیکن ایک مورخ کی حیثیت سے ان پر لازم تھا کہ اسے بھی بیان کرتے جبکہ آپ نے وہیں پر موجود شیخ معروف کے مزار کا باقاعدہ ذکر کیا ہے۔

بہر حال یہ عمارت بھی اس بستی کی قدیم عمارتوں میں سے ایک ہے جو آج بھی تھوڑے سی تغییرات کے باوجود اپنی اصلی شکل میں باقی ہے۔ البتہ اس کی چہار دیواری کے دروازے پر ۱۳۵۶ھ تاریخ کندہ

---

[1] ۔ ایضا،ص ۱۳۲-۱۳۳

[2] ۔ ایضا،ص ۱۳۰

ہے لیکن یہ تاریخ اس وقت لکھی گئی جب اس کے چاروں طرف دیوار اٹھائی گئی تھی[۱]۔ لیکن بزرگوں سے معلومات فراہم کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ عمارت پانچ سو سال پہلے تعمیر کی گئی ہے[۲]۔ اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ پورہ معروف کی سب سے پرانی عمارت ہے۔ ذیل میں روضہ کی تصویر ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

عکس روضۂ امام حسین علیہ السلام

[۱]۔ روداد روضہ پورہ معروف کرتھی جعفر پور، [یکم مارچ ۱۹۷۶ء الی ۳۱ دسمبر ۱۹۷۹ء]، ص ۶-۷، مرتبہ، اقبال مہدی، اکرام پریس پرہلادگھاٹ، بنارس۔

[۲]۔ جیسا کہ جناب اقبال مہدی ، جناب مقبول احمد وجناب یاسین سے گفتگو کرنے کے بعد پتہ چلا ہے اور یہ حضرات اس بستی کے سن رسیدہ افراد ہیں جنکی عمریں ستر سے لیکر نوے سال ہے، انہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ ہم اس عمارت کو اپنے بچپن سے ایسی ہی دیکھتے چلے آرہے ہیں اور ہمارے علم اور بزرگوں کے بتانے کے مطابق یہ پانچ سو سال پرانی عمارت ہے۔ [محمد رضی سلمہٗ کے ذریعہ ان افراد سے دسمبر ۲۰۱۳ء میں لیا گیا انٹرویو]۔

ج: قبرستان ومقابر

پورہ معروف میں اہل سنت اور شیعہ حضرات دونوں کے دفن ہونے کے لیے متعدد قدیم قبرستان موجود ہیں جہاں اہل سنت اور بعض قبرستان میں اہل سنت اور شیعہ دونوں کے مردے دفن کیے جاتے ہیں۔ محلہ بلوہ پر تھوڑے سے ہی فاصلہ پر تین قبرستان موجود جن میں ایک گڑھی سے متصل قبرستان ہے جہاں شیعہ مردے بھی دفن ہوتے ہیں۔ محلہ بانسہ اور محلہ حسین آباد کے درمیان ''مٹھیا قبرستان'' ہے یہاں بھی دونوں کے بعض خاندان کے مردے دفن ہوتے ہیں اور اسی طرح بازار اور محلہ پارا کے درمیان بھی ایک قبرستان ہے جہاں شیعہ وسنی گھرانوں کے مردے دفن ہوتے ہیں اور محلہ پارا پر بھی ایک قدیمی قبرستان موجود ہے جہاں سنی وشیعہ خاندان کے مردے دفن کیے جاتے ہیں۔ اور ہر سال شعبان کی چودہویں تاریخ کو نماز مغرب سے تقریبا ایک گھنٹہ پہلے قبرستان میں چراغاں کیا جاتا ہے اور لوگ اپنے اپنے مردوں کی قبروں پر قرآن اور قرآن کی بعض سوروں کی تلاوت کرتے ہیں۔

مولانا عثمان معروفی کے مطابق پورہ معروف میں تین قدیم مقبرے بھی تھے جنہیں آپ نے مندرجہ ذیل تفصیلات کے ساتھ بیان کیا ہے:

ا۔ اس بستی کا پہلا مقبرہ: آبادی کے شمال میں واقع ہے جہاں محلہ پرانا پورہ، نیا پورہ اور بانسہ کے مردے دفن کیے جاتے ہیں، اس کے جنوب مغرب میں ایک چٹان پر چند پختہ قبریں بنی ہوئی تھی لیکن مرور ایام کی وجہ سے اردگرد کی زمین پست ہوگئی جس کے باعث یہ زبردست چٹان پاش پاش ہوگئی۔ یہاں کی پختہ قبریں اپنی شکستہ حالی و ویرانی کے باعث قصبہ کی قدامت کے قصہ پارینہ کو دہرا رہی ہیں۔ مولانا عثمان معروفی کہتے ہیں: میں نے بارہا ان مزارات پر حاضر ہوکر جستجو کی لیکن صد حیف کہ ان پر بھی کوئی کندہ تاریخ دستیاب نہ ہوسکی[1]۔ یہ مقبرہ اپنی انہیں جزئیات کے ساتھ مولانا عثمان معروفی کے زمانے تک باقی تھا البتہ ہم نے بھی اپنے بچپن میں اس مقبرے کو نیم پختہ قبر کی صورت میں دیکھا ہے جہاں پر کچھ عقیدتمند حضرات شب جمعہ کو اگربتی اور موم بتی جلایا کرتے تھے لیکن یہ سلسلہ اب ختم ہو چکا ہے اور اسی عدم توجہی کے

---

[1]۔ حیات طاہر، ص ۱۹

سبب اس کے نشانات آج بالکل ختم ہو گئے ہیں اور وہاں پر موجود قبرستان کی چہار دیواری اٹھادی گئی ہے جس کی وجہ سے قبر کا نشان بھی ختم ہو گیا ہے[1]۔

۲۔ دوسرے مقبرے کے متعلق مولانا عثمان معروفی لکھتے ہیں کہ: یہ مقبرہ محلہ بلوہ کے شمال میں واقع ہے جو خیاط برادریوں سے مخصوص ہے۔ یہاں ایک بہت پرانا مہوہ کا درخت ہے جس کی جڑ میں یا تو کوئی پختہ قبر بنی ہوئی ہے یا مقبرہ کی ضرورت کے واسطہ کوئی ٹھوس چبوترہ وغیرہ رہا ہوگا جس کا نشان اب بھی موجود ہے اس نشان اور درخت کی جڑ سے صاف نمایاں ہے کہ مرور ایام کی وجہ سے بادوباران نے کئی فٹ اونچی مٹی یہاں سے دور کر ڈالی ہے کاشتکاروں کے دست تصرف نے مقبرہ کی حدود بھی بہت تنگ کردی ہے صحیح حدود کا کسی کو علم نہیں ہے لیکن آس پاس کھیتوں میں دور تک پھیلی ہوئی قبریں ضرور ہیں بتدریج مٹی ڈھلتے ڈھلتے سطح زمین قبر کی گہرائی تک پہونچ گئی ہے بارش کے ایام میں کبھی کبھی مردوں کے لمبے لمبے ڈھانچے یا ران، ساق اور کھوپڑیوں کی بڑی بڑی ہڈیاں نمودار ہوجاتی ہیں جنہیں دیکھ کر ایام قدیم سے لوگوں کی طوالت وجسامت اور عظمت جثہ پر حیرت ہوتی ہے[2]۔ یہاں پر یہ تذکرہ کرنا ضروری ہے کہ مہوہ کا درخت ہمارے بچپنے اور نوجوانی تک تو باقی تھا لیکن سوکھ جانے کی وجہ سے اسے کاٹ کر ختم کر دیا گیا اور جس پختہ قبر کی بات مولانا عثمان معروفی نے کی ہے وہ بھی مرور زمان کی وجہ سے اب باقی نہیں ہیں بلکہ اس درخت کے آس پاس اب کسی طرح کا کوئی نشان باقی نہیں ہے، سب مٹ چکے ہیں اور وہاں پر لوگوں نے مکانات بنانا بھی شروع کر دیئے ہیں۔

۳۔ تیسرے مقبرے کے بارے میں مولانا موصوف یوں رقمطراز ہیں کہ: یہ مقبرہ محلہ بلوہ سے جنوب مغرب میں واقع ہے جو ''اوسرہواں'' کے نام سے موسوم ہے یہ مقبرہ مذکور بالا دونوں مقبروں سے بھی پرانا بتایا جاتا ہے ایک عرصہ سے یہاں تدفین موتی کا سلسلہ بھی بند ہو چکا ہے اور یہ زمین بھی مسلمانوں کے قبضہ وتصرف سے نکل چکی ہے زمین بنجر اور نا قابل زراعت ہے تاہم زمینداروں نے زبردستی اس پر کاشت

---

[1]۔ ذاتی مشاہدہ۔ (راقم الحروف)

[2]۔ حیات طاہر، ص ۱۹

شروع کردی ہے مشہور ہے کہ اس مقبرہ میں بڑے بڑے بزرگوں کے مزارات ہیں پہلے لوگ اس زمین کا بڑا احترام کیا کرتے تھے اور کسی قسم کی بے حرمتی و بے ادبی سے ڈرتے تھے کیونکہ خود اس زمین کی یہ خاصیت تھی کہ جو کوئی اس کی ذرا بے عزتی کرتا یا بے جا قبضہ کے لئے ہل چلاتا تو وہ بہت جلد کسی نہ کسی آفت ناگہانی کا شکار ہوجاتا موت کے گھاٹ اتر جاتا یا دماغی توازن کھو بیٹھتا یا اعضا میں کوئی فاحش عیب ظاہر ہوجاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یہ زمین کسی بے جا تصرف سے عرصہ تک محفوظ رہی لیکن مرور ایام کے باعث آہستہ آہستہ یہ تاثیر جاتی رہی اس لئے اس افتادہ زمین کا بیشتر حصہ کھیتی کے مصرف میں تبدیل ہوگیا ہے زمین اگرچہ اپنی بہت سی تاثیرات کھو چکی ہے لیکن خیر و برکت کی ایک زبردست علامت اب بھی یہاں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ کوئی بھی جانور خاص کر بھینس اگر بیمار ہوجائے یا اس کے دودھ کا اترنا بند ہوجائے تو بھینس اس جگہ لائی جاتی ہے اور وہ بالکل ٹھیک ہوجاتی ہے آج بھی یہ سلسلہ قائم ہے اور عموماً اپنے مقصد میں کامیاب ہوکر لوگ واپس جاتے ہیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے یہ کس چیز کی برکت ہے ''اوسرہواں'' کسی زمانہ میں مسلمانوں کی آبادی تھی جو آج ویرانہ محض ہے اس کو اجڑے ہوئے ایک زمانہ مدید بیت چکا ہے انقلابات زمانہ سے بتدریج اس کے سارے آثار بھی زائل ہو چکے ہیں البتہ پیپل کا ایک پرانا درخت ضرور ہے جو یہاں کے مردگان پر اب بھی سایہ فگن ہے غرض یہ مقابر پورہ معروف کی قدامت پر ضرور موئد ہیں لیکن اس کی ابتدائی تاریخ سے قارئین کو پورے طور پر ہم مطمئن نہیں کر سکتے[۱]۔

د: مزارات

پورہ معروف میں دو مزار پائے جاتے ہیں جن کے نشانات آج بھی موجود ہیں اور کچھ عقیدتمندوں کی توجہ کا مرکز ہیں۔ ان میں سے ایک شیخ معروف کا مزار ہے اور دوسرا ملک بشارت کا مزار ہے، ان دونوں کی مختصر تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ شیخ معروف کا مزار

---

[۱]۔ ایضاً ص ۲۰

یہ مزار عیدگاہ پورہ معروف کے جنوب دریائے ٹونس کے کنارے پر واقع ہے۔ مولانا عثمان معروفی اس مزار کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ: یہ مزار لب دریائے ٹونس بتایا جاتا ہے بہت پہلے یہاں قبر کا نشان موجود تھا جو ندی کے آبادی کی طرف بڑھنے کی وجہ سے وسط دریا میں آ گیا اسی لئے اس کے روبرو بطور نشان قبر کچھ اینٹیں ضرور رکھی رہتی تھیں۔ ماہ ذی الحجہ ۱۳۷۷ھ/ مارچ ۱۹۶۸ء میں ایک عقیدتمند غیر مسلم نے ندی کے بالکل کنارے ان کی یادگار میں ایک عالی شان پختہ مقبرہ بنوا دیا[1]۔ پھر وہ مزید لکھتے ہیں کہ ہمیں افسوس ہے کہ شیخ معروف کے نام کے سوا ان کی آمد و انتقال کی تاریخ کے سلسلہ میں کچھ معلومات فراہم نہ ہو سکیں[2]۔

آج کل یعنی ۲۰۱۴ء میں مزار کی مجدد تعمیر کرائی گئی ہے اور اس مزار کے چاروں طرف چہار دیواری اٹھا دی گئی ہے۔ یہ کام بھی کسی غیر مسلم عقیدتمند ہی کے ذریعہ کیا گیا ہے اور جنہوں نے اس کی تعمیر کروائی ہے اس کا نام مزار کی دیوار پر ایک تختہ پر لکھا ہوا ہے جسے ذیل کی تصویر میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] ۔ ایضاً ص ۲۱

[2] ۔ ایضاً ص ۲۱

اس تختہ پر یہ تحریر ہے کہ ۱۹۶۸ء میں اس مزار کو جناب بھگت ساو مدھیشیا نے بنوایا تھا اور ۲۰۱۴ء میں چہار دیواری کے ساتھ اس کی تعمیر جناب ہریش چندر مدھیشیا ابن جناب ویشوناتھ مدھیشا کے تعاون سے کی گئی ہے۔

یہ مزار آج بھی اپنی اسی شان سے باقی ہے اور کچھ ہندو عقیدتمند حضرات وہاں پر اگربتی اور موم بتی جلاتے اور نذورات بھی رکھتے ہیں۔ ذیل میں اس مزار کی جدید تصویر ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

شیخ معروف بابا کے مزار کا اندرونی و بیرونی منظر

۲۔ملک بشارت کا مزار

جناب عثمان معروفی کے بقول، ملک بشارت، شیخ معروف کے دوسرے بھائی بتائے جاتے ہیں جن کے نام کے ساتھ موضع بشارت پور موسوم ہے۔ یہ موضع پورہ معروف کے شمال میں ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ آپ کا پختہ مزار ایک پرفضا میدان میں آم کے درختوں کے سایہ تلے واقع ہے۔ یہ بات بڑی حد تک قرین قیاس ہے کہ آپ میدان علم وعمل کے ایک مرد کامل ضرور رہے ہونگے اسی وجہ سے لوگوں نے آیندہ نسلوں میں آپ کی یادگار باقی رکھنے کے لئے آپ کا مزار پختہ بنوا دیا اور اس کے قریب ایک چھوٹی سی

مسجد تعمیر کرادی یہ ضرور ہے کہ مزار یا مسجد پر کوئی تاریخ کندہ نہیں ملتی مگر طرز تعمیر بہت پرانے زمانہ کی یاد دہراتی ہے[۱]۔

مذکورہ معلومات سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عثمان معروفی کے زمانے تک یہاں کی مسجد اپنی پوری عمارت کے ساتھ صحیح وسالم تھی لیکن آجکل اس مسجد کے کوئی خاص نشانات باقی نہیں ہیں البتہ جائے مسجد سے متصل ایک پختہ قبر آج بھی چند درختوں کے سائے میں موجود ہے۔ یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ یہاں شیعہ حضرات محرم کی ساتویں تاریخ کو اپنے اپنے امامباڑوں سے علم کا جلوس لے کر ماتم ونوحہ خوانی کرتے ہوئے آتے ہیں اور یہیں پر حضرت عباس علمدار کی نذر دی جاتی ہے پھر تمام حضرات اپنے اپنے علم کو لے کر واپس چلے جاتے ہیں[۲]۔ چونکہ یہ جگہ شیعوں کی توجہ کا مرکز بنی رہی جس کی وجہ سے یہاں کے نشانات آج تک باقی ہیں ورنہ یہ جگہ بھی دوسری جگہوں کی طرح ختم کردی جاتی۔ یہاں کی زمین سلیمان کربلائی کے زیر تصرف تھی جو اس کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے اور آج کل ان کے پوتے مقدر حسین اس کی دیکھ بھال کررہے ہیں۔ ملک بشارت کے مزار کی تصویر ذیل میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

۱۔ ایضاً ص ۲۱

۲۔ ذاتی مشاہدہ۔ (راقم الحروف)

ھ: عیدگاہ

ندی کے کنارے، ہی پر واقع پورہ معروف کی قدیمی عیدگاہ بھی موجود ہے جس کے اصل دروازے پر ۱۳۵۴ھ تاریخ کندہ ہے اور تعمیر جدید کی تاریخ ۱۴۰۶ ہجری لکھی ہوئی ہے۔ایک وہ زمانہ تھا کہ پورہ معروف اور آس پاس میں موجود مسلمان حضرات اسی عیدگاہ میں عیدفطر اور عیدالاضحیٰ کی نماز ادا کرنے آتے تھے کیونکہ اس عیدگاہ کے علاوہ دوسری عیدگاہیں نہیں تھیں لیکن مسلمانوں کی آبادی جیسے جیسے بڑھتی گئی مسجدیں بھی بنتی گئیں اور عیدگاہیں بھی تعمیر ہوتی گئی۔ بہرحال آج بھی یہ عیدگاہ مسلمانوں کے اجتماع کا مرکز ہے جہاں دونوں عید کی نمازیں بڑی شان سے ادا کی جاتی ہیں۔تصویر ملاحظہ ہو۔

عیدگاہ کا منظر

و: مندر

پورہ معروف کی اس بستی میں ٹونس ندی کے بالکل کنارے اور روضہ امام حسین علیہ السلام کے روبرو ایک بہت ہی پرانا مندر پایا جاتا ہے جہاں ہندو حضرات پوجا پاٹ اور اپنے مذہبی پروگرام کو بجالاتے ہیں۔اس مندر کے پاس ہی ''دیوگھر'' نام کا ایک مکان ہے جس میں ہندو حضرات اپنے بعض تہواروں کے موقع پر اپنی دعاوں کا ورد کرتے ہیں۔

یہ مندر ہندوؤں کے بھگوان شیو سے منسوب ہے۔ بزرگوں کے بتانے کے مطابق یہ مندر بھی قدیم زمانے کی یادگار ہے۔لہذا یہ کہنا مناسب ہے کہ یہ عمارت بھی پورہ معروف کی ثقافت کا ایک نمونہ ہے۔اس لیے اس کا شمار بھی وہاں کے آثار قدیمہ میں کیا جانا ضروری ہے۔ ذیل میں مندر کی تصویر ملاحظہ ہو۔

۴۔ پورہ معروف اور شیعہ مذہب

پورہ معروف میں شیعوں کے ورود اور وجود کے بارے میں کوئی حتمی تاریخ اور دقیق معلومات فراہم نہیں ہوسکی ہیں کیونکہ اس موضوع کے بارے میں نہ تو کوئی کتاب لکھی گئی اور نہ ہی بزرگوں کے پاس اس کی کوئی اطلاع ہے۔مولانا عثمان معروفی نے بھی اس حوالے سے کوئی ذکر نہیں کیا ہے البتہ انہوں نے یہ ضرور

لکھا ہے کہ پہلے شیعہ اور سنی دونوں بغیر کسی مذہبی تعصب کے عزاداری کرتے تھے اور پورہ معروف کے تقریبا سبھی گھرانے اس عزاداری کی رسومات کو انجام دیتے تھے[1]۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب سے اس بستی میں مسلمانوں کا وجود پایا جاتا ہے اسی دور سے شیعی رجحانات بھی رونما ہوئے ہونگے۔

مولانا عثمان معروفی تحریر فرماتے ہیں کہ عزاداری کی ساری رسومات جو محلہ بلوہ کی جامع مسجد میں ہوا کرتی تھیں مولانا طاہر کی تبلیغات کے سبب ختم کردی گئیں جس کے نتیجے میں سارے تعزیے دریائے ٹونس میں پھینک دیئے گئے اور وہاں کے چبوترے کو کھود ڈالا گیا لیکن کچھ تعزیئے شیعہ حضرات اپنے اپنے گھروں میں لے گئے[2]۔ شاید اس کے بعد ہی سے دونوں مذہب کے لوگوں نے اس اسلامی اتحاد کو اپنے اپنے ہاتھوں سے کھودیا۔

مولانا سید سعید اختر رضوی مرحوم اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ مئو کے علاقے میں شیعیت مولانا عبدالرشید[3] ابن مولوی محمد نصیر الدین {متولد ۱۲۶۰ھ/ ۱۸۴۴ء، متوفی ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء} کی تبلیغات کے نتیجے میں پہنچی ہے جو کوپا گنج کے رہنے والے اور اپنے زمانے کے بڑے جید عالم دین تھے اور ساتھ ہی ساتھ مناظرے میں بڑے ہی ماہر شخص تھے[4]۔ مولانا موصوف کے بیان سے ایسا لگتا ہے کہ مئو کے سارے علاقوں میں شیعیت کا رواج چودہویں صدی ہجری کے اوائل میں ہوا ہو جبکہ ایسا نہیں ہے بلکہ مئو سے پہلے

---

[1]۔ حیات طاہر، ص ۱۳۰

[2]۔ ایضا، ص ۱۳۱

[3]۔ مولانا محمد حسین نوگانوی اور سعید اختر کے بقول مولانا عبدالرشید، تاج العلماء اور ممتاز العلماء [جو اپنے زمانے کے مجتہد تھے] کے شاگرد تھے، انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں ہیں جن کے یہ نام مندرجہ ذیل ہیں: ''احصان المحصنین (فارسی)''، ''از جار المجانین (عربی)''، ''نصح فصیح''، ''تل طبل''، ''رضخ الحجار''، ''خفض النواصب''، ''الرسالۃ الیومیہ (عربی)''، ''خیر المتون (عربی)''، ''منطق'' {رجوع کریں: خورشید خاور، ص ۲۲۸، اور تذکرہ بے بہا، جلد ۱، ص ۲۶۰-۲۵۹}۔ ان کی بہت سی کتابیں آج بھی قلمی نسخوں کی شکل میں باقی ہیں۔ بڑے افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہم ان کو طبع کرانے یا نسخہ برداری کی طرف مائل نہیں ہیں، اور اسی طرح یہ نسخے خراب ہورہے ہیں۔

[4]۔ خورشید خاور [تذکرہ علمائے ہند و پاکستان]، مولانا سید سعید اختر رضوی، ص ۲۲۷، ناشر معارف پبلیکیشنز، گوپالپور، باقر گنج، ضلع سیوان، بہار، ۲۰۰۲ء/ ۱۴۲۲ھ، تذکرہ بے بہا، ص ۲۵۹-۲۶۰

کوپاگنج اور پورہ معروف میں شیعیت کا وجود تھا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ بستی میں عرصہ دراز سے عزاداری کا قائم ہے۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مولانا عبدالرشید کی تبلیغات نے اس میں چار چاند لگادیئے تھے۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ آج سے تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل، کوپاگنج میں مولانا عبدالرشید ایک جلیل القدر مجاہد عالم دین تھے جن کی رہنمائی سے مئو کے بابو میاں عرف پاکو میاں نے تنہا شیعہ عقیدہ قبول کیا تھا۔ آج ان کی نسل ایک پورے محلہ میں آباد ہے۔ بابو میاں کے ایک بیٹے رحمت علی مرحوم تھے جن کے تیسرے فرزند مولانا حکیم اختر حسن تھے اور چوتھے مولانا محمد ظہور تھے، جنہوں نے گھر پر ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد پورہ معروف کے مدرسہ ظفر الایمان میں ۱۳۴۰ھ میں داخلہ لیا اور ۱۳۴۵ھ میں مدرسہ ایمانیہ بنارس چلے گئے اور وہاں سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ کے مدارس سلطان المدارس اور واعظین میں تعلیمات حاصل کیں[1]۔

مولانا عبدالرشید کے بعد انہیں کی راہ پر چلتے ہوئے ان کے مقاصد کو مولانا عطا حسین[2] کوپاگنجی نے استحکام بخشا جیسا کہ مولانا تفضّل مہدی مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ تقریباً ایک صدی قبل پورہ معروف میں شیعیت اور مذہب امامیہ میں جس پختگی کے ساتھ نکھار آیا وہ مولانا شیخ عطا حسین قبلہ کوپاگنجی کی تبلیغی خدمات اور تعلیم کا اثر معلوم ہوتا ہے کیونکہ وطن میں ان کے خدمات کا تذکرہ بزرگوں کی زبانی بہت ملتا ہے۔ مولانا مرحوم کی سادہ زندگی نے بزرگوں کی زندگی پر بڑا اچھا اثر چھوڑا ہے انہیں مرحوم کے ذریعہ مذہب کی مئے پینے والوں نے مولانا مرحوم کے بعد اپنے بچوں کو گھریلو تعلیم وتربیت کے علاوہ اہلسنت کے مدارس کو ذریعہ بنایا

---

[1]۔ خورشید خاور، ص ۳۸۲

[2]۔ مولانا عطا حسین اعلی اللہ مقامہ کوپاگنج بلکہ پروانچل کی ایک عظیم شخصیت اور مجتہد تھے۔ ۱۸۸۰ء میں آپ ایک علمی خانوادہ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم گھر ہی پر حاصل کی پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے لکھنؤ تشریف لے گئے اور وہاں سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے اور کامٹی، ناگپور وغیرہ میں دینی خدمات انجام دیں اور وہاں مدرسوں کا قیام بھی کیا۔ پورہ معروف میں بھی آپ نے ایک مکتب قائم کیا تھا جہاں پر لوگ آپ سے دینی تعلیمات حاصل کرتے تھے۔ آپ تقریباً بہتر سال کی عمر میں ۱۹۵۲ء کو اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ [تذکرہ مشاہیر کوپاگنج، ص ۹۷-۹۸]۔

کیونکہ تعلیم کا ذریعہ اس کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ گھریلو تعلیم اور اہلسنت کے مدارس سے تعلیم دلوا کر بزرگان قوم نے اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم اور تہذیب سے آراستہ کرنے کے لئے لکھنؤ و بنارس بھیجتے رہے[1]۔ جو تعلیم مکمل کرنے کے بعد شیعہ قوم اور اس بستی کے لئے باعث افتخار بنے۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے کہ لوگ اپنے بچوں کو بستی کے مدرسہ امامیہ یا اہل سنت کے دیگر مدارس میں ابتدائی تعلیم دلانے کے بعد دینی تعلیمات کو آگے جاری رکھنے کے لئے گاوں سے باہر شہروں میں موجود مختلف مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد دوسرے ممالک میں بھی جاتے ہیں اور وہاں سے فارغ ہونے کے بعد ہندوستان اور بیرون ممالک میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

الف: شیعہ مساجد اور روضۂ امام حسین علیہ السلام

۱۔ جامع مسجد آل نبی

مسجد آل نبی اس بستی میں شیعوں کی سب سے پرانی مسجد ہے جو صدر امامباڑے سے متصل پورب کی جانب، محلہ پرانا پورہ میں واقع ہے۔ بزرگوں کے بتانے کے مطابق یہ مسجد تین مرتبہ تعمیر ہوئی ہے لیکن پہلی تعمیر کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ہے البتہ یہ گمان لگایا جاتا ہے کہ پہلی تعمیر کسی شاہی زمانے کی تعمیر تھی، دوسری مرتبہ تعمیر کے بارے میں بھی کوئی دقیق اطلاع نہیں ملتی ہے[2]۔ البتہ تیسری مرتبہ ۱۹۹۵ء مطابق ۱۴۱۶ھ میں اس مسجد کی تعمیر کرائی گئی ہے۔ جس کے لیے اہل بستی کے گھر گھر سے چندہ وصول کیا گیا اور ایک خطیر رقم جمع ہو جانے کے بعد تعمیر کا آغاز کر دیا گیا لیکن اس مرتبہ مسجد کی بنیاد ایک عالیشان عمارت بنانے کے

---

[1]۔ دردمندانہ اپیل، مولانا تفضّل مہدی، ص ۵

[2]۔ بستی کے بزرگوں سے لی گئی معلومات۔ البتہ ہم نے اپنے بچپن میں تیسری تعمیر سے پہلے والی عمارت کو دیکھا تھا جس پر کوئی تاریخ کندہ نہیں تھی لیکن بڑی بوسیدہ عمارت تھی۔ اس قدیم عمارت کی طرز تعمیر سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ تقریباً سو سالہ یا اس سے بھی زیادہ پرانی عمارت رہی ہوگی۔ لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ مولانا محمد عثمان معروفی نے جہاں اس بستی کی قدیم عمارتوں کا ذکر کیا ہے، وہاں روضہ کی طرح اس قدیم عمارت کا بھی ذکر اپنی کتاب میں نہیں کیا ہے۔

خیال سے رکھی گئی لہذا تعمیر نامکمل رہ گئی، کچھ رقم علامہ ذیشان حیدر جوادی مرحوم کے ذریعہ ملی جس سے مسجد کا ایک حصہ مکمل کرایا گیا پھر چند برس بعد مولانا محمد حسن معروفی نے توجہ کی اور مکمل مسجد کی تعمیر ۱۹۹۵ء میں عمل میں آئی[۱]۔

مسجد کی دیکھ ریکھ صاف صفائی اور تعمیراتی کام وغیرہ کچھ مومنین پر مشتمل کمیٹی کے تحت بخوبی ہوتا چلا آرہا ہے جس کا سلسلہ آج بھی جاری وساری ہے۔ مسجد کے شمال مشرق میں بالکل نکڑ پر ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جس میں مسجد کے املاک وتبرکات وغیرہ محفوظ کیے جاتے ہیں۔ ہمارے بچپن میں بغیر عمارت کے صرف زمین تھی جو اب پختہ صورت میں ہے۔ بزرگان پورہ معروف کے مطابق اس زمین کو حاجی عقیل مرحوم نے وقف کیا تھا۔

شیعہ جامع مسجد آل نبی کا بیرونی منظر

---

[۱]۔ مومنین پورہ معروف سے لی گئی معلومات

مسجد کا اندرونی نظارہ

۲۔ مسجد امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ

محلہ حسین آباد میں جب شیعوں کی آبادی بڑھنے لگی تو وہاں پر ایک مسجد کی شدید ضرورت محسوس کی جانے لگی لہذا سب سے پہلے محلہ میں مسجد بنانے کا تصور حسن عسکری ۱ مرحوم نے پیش کیا جو الہی دادا کے نام سے مشہور تھے۔ انہوں نے نہ صرف تصور دیا بلکہ مسجد کی تعمیر کے لئے اپنی ملکیت کی زمین بھی دے دی۔ پھر وہاں پر کچھ اینٹوں سے اس جگہ کو گھیر دیا گیا اور نماز شروع کر دی گئی چونکہ مسجد کی یہ جگہ شروع میں ایک چہار دیواری کی شکل میں تھی جس کی وجہ سے لوگوں کو بارش کے موسم میں پریشانی ہوتی تھیں لہذا کبھی کبھی

۱۔ حسن عسکری مرحوم بہت ہی اچھے اور فنکار مرثیہ خوان تھے وہ حسین آباد مسجد سے متصل احاطہ (جس کے ایک کونہ میں پہلے مٹی کا گھر تھا جو حسن عسکری مرحوم کے یہاں سے منتقل ہونے کے بعد مرور ایام اور آباد نہ ہونے کے سبب گر چکا ہے اور آج کل یہ احاطہ غلام حسین مرحوم کی ملکیت میں ہے) میں اپنے خانوادہ کے ساتھ رہتے تھے، بعد میں وہ لوگ یہ گھر بیچ کر مبارکپور چلے گئے اور وہیں ساکن ہو گئے۔ ان کے صاحبزادوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں جو آج بھی مبارکپور میں آباد ہیں۔ ۱۔ ریاض الحسن مرحوم ۲۔ نیر رضا {الّن مرثیہ خوان} ۳۔ خورشید مبارک {عدّن/خورشید شاعر} ۴۔ میکش رضی {للّن}۔

مرحوم ضمانت مہدی[1] مرحوم کے مکان پر نماز ہوا کرتی تھی۔

مولانا تفضّل مہدی مرحوم نے جب مومنین کے اس جذبہ کو دیکھا تو انہوں نے یہاں پر مسجد تعمیر کرانے کا ارادہ کیا لیکن سب سے پہلا مسئلہ جو پیش آیا وہ زمین کے حدود کا تھا کیونکہ حسن عسکری (الٰہی دادا) مرحوم نے جو زمین دی تھی وہ ایک مسجد کی عمارت کے لئے کم اور ناکافی تھی اور الٰہی دادا مسجد سے متصل زمین، غلام حسین مرحوم کو بیچ کر مبارکپور چلے گئے تھے اور مسجد کی عمارت کو صحیح طور پر بننے کے لئے زمین کی خریداری ضروری تھی لہذا غلام حسین مرحوم سے ۲۰۰ ۷ روپیہ میں لوگوں کے تعاون سے بقیہ زمین خریدی گئی پھر اس مسجد کی تعمیر کے لئے مولانا تفضّل مہدی مرحوم مختلف جگہوں سے رابطہ قائم کرنے لگے تا کہ مسجد تعمیر ہو سکے بہرحال لوگوں کے تعاون اور مدد سے تعمیری کام شروع ہو گیا[2]۔

مسجد کے سنگ بنیاد کے متعلق مولانا تفضّل مہدی مرحوم لکھتے ہیں کہ مسجد امام مہدی عج، کا سنگ بنیاد پڑنے کے بعد سے مسجد کی تعمیر کو آگے بڑھانے میں بڑی دشواریوں کا سامنا پڑا ہے۔ تاہم ایک چھت مکمل ہوگئی، اب بھی دشواریاں سامنے کھڑی ہوئی ہیں۔ اس لئے کہ کام بہت باقی ہے، پست ہمت نہیں ہوں، کیونکہ مسجد سے محلہ کے مومنین کی سطح بلند ہوئی ہے۔ مولانا سید محمد موسوی، مولانا سید شمیم الحسن، مولانا سید ذیشان حیدر جوادی اور نیز دیگر علمائے کرام کا بطور خاص شکر گذار ہوں کہ جن کے تعاون ومشورہ سے تعمیر مسجد ایک منزل تک پہونچی[3]۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب مسجد کی چھت مکمل ہوئی تھی پھر وقفہ بہ وقفہ مسجد کے

۱۔ ضمانت مہدی مرحوم بڑے متقی اور پرہیزگار شخص تھے انہوں نے اپنی پوری زندگی مسجد کی دیکھ بھال میں صرف کردی۔ جس وقت سے حسین آباد میں مسجد بنی تھی اس وقت سے لیکر انتقال کے وقت تک انہوں نے اس مسجد میں اذان دی۔ اور جب کبھی عید اور بقرعید کے موقع پر کوئی عالم دین نہ ہوتا تو وہ خود ہی نماز پڑھا دیا کرتے تھے۔ اور یہاں پر یہ بھی یاد دلانا ضروری ہے کہ امانت مہدی مرحوم بھی مسجد کے معاملات میں اپنے بھائی کے ساتھ برابر شریک رہے۔ جناب ضمانت مہدی کے انتقال کے بعد مسجد کی ساری ذمہ داری امانت مہدی مرحوم نے ادا کی۔ لیکن آپ کے انتقال کے تقریبا ایک سال قبل محلہ کے لوگوں نے مسجد کی دیکھ ریکھ کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی جس کے تحت اب اس مسجد کی ذمہ داریاں بخوبی انجام دی جا رہی ہیں۔

۲۔ محلے کے بزرگوں سے لی گئی معلومات۔

۳۔ خدا کا حکم سبک نہ کرو، مولانا تفضّل مہدی مرحوم، ص ا

دیگر تعمیراتی کام انجام دیئے گئے یہاں تک کہ کئی سالوں تک مسجد میں پلاسٹر نہیں ہوا تھا لیکن رفتہ رفتہ سارے کام مکمل ہو گئے اور اب ماشاء اللہ ایک خوبصورت عمارت میں موجود محلہ کے لوگوں کی عبادت گاہ اور زینت ہے۔

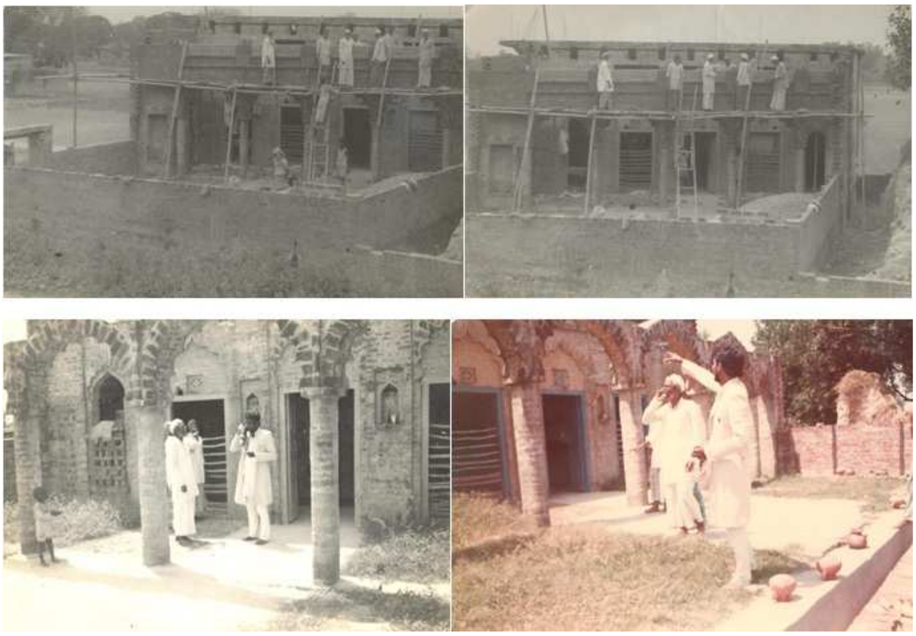

مسجد امام مہدی عجل اللہ تعالی فرجہ، دوران تعمیر کا بیرونی اور اندرونی منظر

مسجد کا موجودہ منظر

یہاں پر یہ یادآوری بھی ضروری ہے کہ حال ہی میں محلہ حسین آباد کے کچھ مومنین نے مل کر ایک مسجد کی زمین خرید کر مسجد امام حسن عسکری علیہ السلام کے نام سے ایک مسجد کی بنیاد رکھی ہے جس کی ابھی تعمیر باقی ہے انشاء اللہ جلد ہی تعمیر ہو جائے گی۔

۳۔ روضۂ امام حسین، محلہ پرانا پورہ

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ روضہ امام حسین علیہ السلام کی عمارت بھی قدیم عمارتوں میں سے ایک ہے جو ''ٹونس'' ندی کے کنارے پر واقع ہے جس کے داہنی جانب، اہل سنت حضرات کی سب سے قدیم عیدگاہ ہے اور اس کے پچھّم اور بائیں جانب سے شیعوں کا سب سے قدیم مکتب مدرسہ امامیہ متصل ہے اور اس کے پورب میں ہندوؤں کا ایک بہت پرانا مندر ہے۔ یہ روضہ ایک تاریخی عمارت ہونے کے ساتھ ساتھ شیعوں کے لئے اہم ہے کیونکہ شیعہ حضرات محرم کے ایام میں اپنے کچھ جلوس یہیں پر دفن کرتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے مذہبی اور دینی پروگرام کا بھی انعقاد کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر جمعرات کو یہاں پر مغربین کے بعد مجلس ہوتی ہے اور لوگ نذر و نیاز اور دعا وغیرہ کے لئے وہاں پر جاتے ہیں۔

۱۳۵۶ھ میں پہلی مرتبہ مومنین کی طرف سے اس روضہ کی چہار دیواری اٹھائی گئی لیکن آہستہ آہستہ مسلسل سیلاب کی وجہ سے چہار دیواری منہدم ہوتی چلی گئی لہذا مومنین نے بلحاظ وقت چہار دیواری میں توسیع کی خواہش کی لیکن زمین موجود ہونے کے باوجود قلت سرمایہ کے باعث صرف چہار دیواری کی بنیاد ہی رکھی جا سکی تھی۔ ۱۹۷۴ء میں سرکار ظفر الملت مولانا ظفر الحسن مرحوم کی رقم خمس کی اجازت سے روضہ کا شکستہ دروازہ اور شگاف زدہ دیوار کی مرمت و تعمیر کی گئی تھی اور پھر ۱۹۷۸ء میں روضہ کی چہار دیواری کا کام شروع کیا گیا[۱]۔ چہار دیواری اور روضہ کی مرمت کرانے کے بارے میں جناب اقبال مہدی کا بیان ہے کہ جب میں مدرسہ امامیہ کا منتظم بنایا گیا تو اس بات کی طرف متوجہ ہوا کہ روضہ کی مرمت ہونا چاہیے اور اسی فکر

---

[۱]۔ روداد روضہ پورہ معروف کرتھی جعفر پور، [یکم مارچ ۱۹۷۶ء الی ۳۱ دسمبر ۱۹۷۹ء]، ص ۶-۷، مرتبہ، اقبال مہدی، اکرام پریس پرہلادگھاٹ، بنارس۔

میں رہتا تھا کہ ایک دن روضہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نماز سے فارغ ہو کر تعقیبات میں مصروف تھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں اور پھر انہوں نے میری طرف رخ کر کے کہا کہ: اس روضہ کی مرمت میں آخر دیر کیوں ہے؟ جناب اقبال مہدی کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے نویں دن مستری اور مزدور کا انتظام کیا گیا اور مرمت کا کام شروع ہو گیا جو رفتہ رفتہ کچھ وقفہ کے ساتھ مکمل ہوتا چلا گیا[1]۔

۱۹۷۴ء سے ہر پنجشنبہ کو ایک مجلس کا قیام کیا جاتا ہے[2]۔ جس کا سلسلہ جناب اقبال مہدی کی دیکھ ریکھ میں آج بھی جاری ہے۔ موصوف نے اپنی پوری زندگی اس کی دیکھ بھال میں صرف کر دی اور آج بھی آپ یہ خدمت بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ ہم لوگوں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے آپ کو اس روضہ کی خدمت کی انجام دہی میں مصروف دیکھ رہے ہیں۔

ب: امامبارگاہیں

ا۔ صدر امامباڑہ، محلہ پرانا پورہ

صدر امامباڑہ محلہ پرانا پورہ میں شیعہ جامع مسجد سے متصل پچھّم کی طرف واقع ہے۔ یہ امامباڑہ پہلے مٹی کے قدیم مکان کی شکل میں تھا جسے ۱۹۸۳ء-۱۹۸۴ء کے دوران مولانا محمد مظہر حسین معروفی کی کوششوں کے نتیجے میں قدیم عمارت کو گرا کر اس کی نئی تعمیر کی گئی جو آج تک موجود ہے۔ امامباڑہ کے اندر مسجد سے بالکل متصل تعزیہ رکھنے کے لیے شہ نشین بھی بنی ہوئی ہے جس میں ایام عزا کے بعد تعزیہ رکھا رہتا ہے۔ یہاں لکڑی کا ایک خوبصورت اور بڑا تعزیہ تھا جو آج بھی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ باقی ہے۔ ۱۹۸۹ء میں یہ

---

[1] جناب اقبال مہدی سے ۳۰ اگست ۲۰۱۵ء کو لیا گیا انٹرویو۔

[2]۔ روداد روضہ پورہ معروف کرتھی جعفر پور، [یکم مارچ ۱۹۷۶ء الی ۳۱ دسمبر ۱۹۷۹ء]، ص ۶

امامباڑہ سرکاری طور پر وقف بورڈ کے ماتحت کردیا گیا ہے[۱]۔ یہ پورہ معروف کی تاریخ کا سب سے قدیم امامباڑہ ہے جو انجمن اسلامی کے زیر اہتمام بحسن وخوبی چل رہا ہے۔

۲۔علیم اللہ مرحوم کا امامباڑہ

یہ عزاخانہ محلہ بانسہ پر کربلا سے شمال مغرب میں واقع ہے۔ یہاں پہلے کاٹھ یعنی لکڑی کا تعزیہ تھا۔ اس عزاخانہ کے داہنی جانب پر اہل سنت حضرات کی ایک مسجد ہے۔ٹھیک اس امامباڑے کے سامنے ایک بہت ہی اونچا اور قدیمی چوک ہے جو آج بھی اسی حالت میں باقی ہے۔ یہ عزاخانہ ایک کچے مکان یعنی مٹی کا بنا ہوا قدیم ہال نما مکان تھا جسے بعد میں پکے مکان کی موجودہ صورت میں بنایا گیا تھا۔اس کے بانی جناب علیم اللہ تھے اور ان کے بعد محمد ذکی مرحوم اس کی ساری دیکھ ریکھ کیا کرتے تھے اور ان کے دنیا سے گذرنے کے بعد اب ان کے بیٹے اس عزاخانے کی دیکھ ریکھ کر رہے ہیں۔محرم کی نویں و دسویں تاریخ کو اور صفر کی انیسویں وبیسویں تاریخ کو اس چوک پر تعزیہ رکھا جاتا ہے۔

۳۔امامباڑہ، محلہ بلوہ

محلہ بلوہ پر واقع یہ ایک خاندانی امامباڑہ ہے جہاں ایک تعزیہ ہمیشہ رکھا رہتا ہے جسے محرم اور صفر کے مخصوص ایام میں سجایا جاتا ہے۔ بزرگوں کے بتانے کے مطابق جب مولانا محمد طاہر کی تبلیغات کے نتیجہ میں اہلسنت حضرات نے محلہ بلوہ میں ہونے والی عزاداری کے تعزیئے توڑ رہے تھے تو اسی وقت مناظر حسین مرحوم ایک تعزیہ وہاں سے اٹھا کر اپنے گھر لیکر چلے آئے اور تبھی سے محرم کے ایام میں ان کے گھر میں مجالس و عزاداری کا سلسلہ شروع ہوگیا اور پھر رفتہ رفتہ تعزیہ رکھنے کے لیے گھر میں ایک مخصوص جگہ بنائی گئی جہاں

۱۔ جناب ڈاکٹر مہدی اصغر کے بقول وقف بورڈ میں درج ہوجانے کے بعد سے وہی اس امامباڑہ کے متولی ہیں۔اور حکیم تفضّل حسین مرحوم اور خود ڈاکٹر مہدی اصغر، ڈاکٹر شہنشاہ حسین (انجمن اسلامی کے سابق سکریٹری) اور جناب دلبر حسن (انجمن اسلامی کے موجودہ سکریٹری) اور دیگر بزرگوں نے امامباڑہ کی دیکھ ریکھ اور انجمن کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

ہمیشہ تعزیہ رکھا رہتا تھا[1] لیکن مکان کی تعمیر کے بعد مکان کی دوسری منزل پر باقاعدہ طور پر ایک چھوٹا سا امامباڑہ بنایا گیا جس میں ایک چھوٹی سی شہ نشین بھی ہے جہاں تعزیہ ہمیشہ رکھا جاتا ہے اور محرم کے ایام میں اسے سجایا جاتا ہے البتہ یہ یاد رہے کہ وہاں پر موجود تعزیہ کئی سو سال پرانہ تھا جس کی قدامت کے بارے میں کسی کو علم نہیں ہے۔

رواں سال یعنی ۱۴۳۷ ہجری (مطابق ۲۰۱۵ء) کے ماہ صفر اربعین کے بعد اس پرانے تعزیہ کو خستہ وشکستہ ہونے کی وجہ سے دفن کر دیا گیا ہے اور اس کی جگہ دوسری خوبصورت ضریح رکھدی گئی ہے[2]۔ اس عزاخانہ کی دوسری قابل ذکر اور اہم بات یہ ہے کہ پورہ معروف میں ہونے والے محرم کے تمام عشروں میں سب سے قدیمی عشرہ اسی امامباڑہ کا ہے جس میں قدیم زمانہ سے پہلی محرم سے لیکر بارہویں تک مجالس کا سلسلہ رہتا ہے اور آج تک جاری ہے۔

۴۔ حسینی امامبارگاہ، محلہ حسین آباد

یہ امامباڑہ محلہ حسین آباد میں لب روڈ واقع ہے جس کی بنیاد عطا حسین ابن خدا بخش مرحوم کی کوششوں کے نتیجے میں ۱۹۷۰ء میں رکھی گئی تھی۔ پہلے یہ عزاداری محلہ پارہ پر عطا حسین مرحوم کے گھر ہی پر کی جاتی تھی لیکن جب وہ اپنے خانوادہ کے ساتھ محلہ حسین آباد میں رہنے کی غرض سے آئے تو انہوں نے ۱۹۵۹ء میں سو روپیہ میں آدھا منڈا زمین خرید کر امامبارگاہ کی بنیاد رکھی اور انہیں کی کوششوں کے نتیجے میں یہ امامباڑہ تعمیر ہوا۔ اس کی عمارت ایک بڑے ہال کی صورت میں تھی جس کے اندر تعزیہ رکھنے کی جگہ بنائی گئی تھی اور اس امامبارگاہ کے باہری حصہ میں ایک بڑے سے صحن میں چوک بنا ہوا تھا جسے جدید تعمیر کے بعد بھی اسی جگہ پر باقی رکھا گیا ہے۔ لیکن بعد میں عمارت زیادہ قدیم ہوجانے کی وجہ سے ۱۹۹۲ء میں مولانا شبیر حسن زینبی اور مولانا وزیر حسن کی مساعی اور کوششوں کے نتیجے میں اس امامبارگاہ کی دوبارہ تعمیر تقریبا آدھا منڈا زمین

---

[1]۔ مولانا محمد مظہر حسین اور ان کے گھر کے دیگر بزرگ حضرات سے لی گئی معلومات

[2]۔ ذاتی مشاہدہ (راقم الحروف)

مغرب کی سمت میں اضافہ کے ساتھ کی گئی جس کی بنیاد مولانا شبیر حسن اور مولانا سید شمیم الحسن نے رکھی تھی[۱]۔ یہ امامباڑہ انجمن معصومیہ کے زیر اہتمام بخوبی چل رہا ہے۔

۵۔امامبارگاہ ایوان حسینی

پانچواں عزاخانہ بھی اسی بستی کے محلہ بانسہ پر ہے جو''ایوان حسینی'' کے نام سے موسوم ہے، یہ عزاخانہ جان محمد کربلائی اوران کے چھوٹے بھائی احمد کربلائی کے اہل خاندان کے زیر اہتمام انتہائی حسن و خوبی سے چلتا آرہا ہے۔ ۱۳۵۳ھ/ ۱۹۳۲ء میں احمد کربلائی کے مکان میں عزاداری کا قیام ہوا اور شروع میں انہیں کے مکان ہی میں مجالس وعزاداری ہوتی تھی۔سالوں بعد صغیر مہدی مرحوم، ذوالفقار علی وغلام حیدر مرحوم نے گھر کے نزدیک ہی امامبارگاہ بنانے کی غرض سے زمین خریدی اور ۱۹۸۲ء میں خاندان کے لوگوں میں چندہ کرنے کے بعد ۱۹۸۲ء میں پہلے امامباڑہ کی شہ نشین بنوائی گئی اوراس کے دوسال بعد یعنی ۱۹۸۴ء میں مولانا تفضّل مہدی مرحوم کی مساعی اور کوششوں سے امامباڑہ کی مکمل تعمیر کرائی گئی[۲]۔ یہ امامباڑہ انجمن مظلومیہ کے زیر انتظام چل رہا ہے۔

۶۔حیدری امامباڑہ

حیدری امامباڑہ محلہ پرانا پورہ میں امداد حسین مرحوم کے مکان سے متصل ایک چھوٹا اور خوبصورت امامباڑہ ہے جو انجمن قمر الایمان کے زیر نگرانی ہے۔اس امامباڑے کے بانی غلام عباس مرحوم اور غلام حیدر مرحوم ہیں۔اس امامباڑے کی تعمیر سے پہلے غلام عباس مرحوم کے مکان پر ۱۹۵۵ء سے ہی مجلس وعزاداری کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔

۱۹۷۳ء میں کوپاگنج تھانہ کے انچارج جناب دیپاکر سنگھ کے توسط سے انجمن قمر الایمان کے زیر

۱۔مولانا شبیر حسن سے لی گئی معلومات ۱۰/ ۹/ ۲۰۱۴ء

۲۔جناب اقبال مہدی سے ۲۵/ ۸/ ۲۰۱۵ء کو لی گئی معلومات

نگرانی کی جانی والی عزاداری کو سرکاری رجسٹرڈ میں درج کیا گیا۔ جب غلام حیدر مرحوم نے اپنی زمین امامباڑہ بنانے کے لیے وقف کردی تو ۱۹۷۷ء میں مولانا غلام رسول مرحوم اور مولانا زین العابدین کو پاگنجی نے امامباڑہ کی بنیاد رکھی اور غلام حیدر مرحوم کے نام سے منسوب ''حیدری امامباڑہ'' کی عمارت تعمیر ہوئی[۱]۔ البتہ چند سال پہلے عمارت پرانی ہوجانے کی وجہ سے دوبارہ تعمیر کی گئی ہے۔ یہ امامباڑہ انجمن قمر الایمان کے زیر اہتمام بحسن وخوبی چل رہا ہے۔

ج: شیعہ مدارس

۱۔ مدرسہ ظفر الایمان

پورہ معروف میں شیعہ تاریخ کا پہلا اور قدیمی مدرسہ ظفر الایمان تھا جو غالبا مولانا عطا حسین مرحوم کی کوششوں سے کھولا گیا تھا اور وہی اس مدرسہ میں درس دیتے تھے۔ یہ مدرسہ محمد حسن ابن محمد ابراہیم مرحوم کے مکان میں چلتا تھا، جس کے پہلے طالب علموں میں مولانا محمد ظہور مئو، کا نام لیا جا سکتا ہے لیکن چند سالوں کے بعد یہ مدرسہ بند ہوگیا[۲]۔ اس مدرسہ کے آغاز اور بند کیے جانے کے بارے میں کوئی دقیق اطلاع نہیں مل سکی ہے۔

۲۔ مدرسہ امامیہ

مدرسہ امامیہ دریاے ٹونس کے کنارے واقع ہے اس مدرسہ کی بنیاد ۱۹۶۸ء میں رکھی گئی اور یہ وہ پہلا مدرسہ ہے جس کو سب سے پہلے تنظیم المکاتب سے ملحق ہونے کا امتیاز حاصل ہے۔ یہاں پر یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ ۱۹۶۸ء سے پہلے یہاں پر شیعوں کا کوئی اپنا خاص مکتب نہیں تھا بلکہ شیعوں کے بچے اہل سنت

---

[۱]۔ جناب علمدار حسین سے ۱/۹/۲۰۱۵ء کو لی گئی معلومات

[۲]۔ گاؤں کے چند بزرگ حضرات مثلا جناب اقبال مہدی، مولانا محمد مظہر حسین، مولانا ارشاد حسین وغیرہ سے لی گئی معلومات۔ مولانا سید سعید اختر رضوی نے بھی اپنی کتاب خورشید خاور میں مولانا محمد ظہور کے حالات زندگی کے ذیل میں اس مدرسہ کی طرف ایک مختصر اشارہ کیا ہے۔

حضرات کے مدرسوں میں تعلیم حاصل کرتے تھے (البتہ شیعی احکامات کو اپنے گھروں میں اپنے بزرگوں سے سیکھتے تھے) اور یہ سلسلہ آج بھی باقی ہے۔

مدرسہ امامیہ کی قدیم عمارت صرف ایک کمرے پر مشتمل تھی اس کے بعد مدرسہ کے جنوب میں خالی زمین پر ایک اور کمرہ تعمیر کیا گیا اور ہمارے زمانے میں دوسرے کمرے کے مشرق میں مزید ایک اور کمرہ تعمیر کیا گیا۔ لیکن گذرتے وقت کے ساتھ یہ ساری عمارتیں انتہائی بوسیدہ ہو چکی تھیں لہذا مومنین کے چندوں اور مولانا محمد حسن معروفی کی بے پناہ محنتوں اور بے پایان کوششوں سے از سر نو دوبارہ تعمیر کیا جارہا ہے موجود عمارت کے زیریں حصہ میں ایک بڑا ہال بنایا گیا ہے اور بالا منزل تین کمروں پر مشتمل ہے تعمیراتی کام تادم تحریر جاری ہے اور مولانا موصوف کی پوری کوشش ہے کہ تعمیراتی کام جلد از جلد مکمل ہو جائے (اللہ تعالی مولانا موصوف کو اجر عظیم عطا فرمائے اور آپ کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے)۔

مکتب میں تنظیم المکاتب کا کورس پہلے درجہ سے پانچویں درجہ تک چلایا جاتا ہے۔ آغاز سے لیکر اب تک جن لوگوں نے مکتب میں بطور سکریٹری خدمات انجام دی ہیں یاد رہے ہیں ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ غلام حیدر مرحوم ۲۔ غلام عباس عرف بانسو مرحوم ۳۔ جناب اقبال مہدی ۴۔ حسنین اختر مرحوم ۵۔ جناب عبادت حسین ۶۔ غضنفر علی مرحوم ۷۔ جناب ظہیر الحسن (آپ دو مرتبہ سکریٹری بنائے گئے تھے) ۸۔ جناب علمدار حسین ۹۔ جناب محمد طالب (موجودہ سکریٹری)۔ ان کے علاوہ پورہ معروف کے دیگر بزرگ حضرات بھی مدرسہ کی ترقی اور بقاء میں ہمیشہ کوشاں رہے ہیں اور مدرسہ کے مختلف منصبوں جیسے صدر، نائب صدر، خزانچی وغیرہ کے عہدہ کو بخوبی سنبھالتے رہے ہیں۔

اسی طرح نیچے ذکر کئے گئے عالموں میں ان مقامی عالم دین کے اسامی ہیں جنہوں نے مکتب امامیہ میں تدریس کے فرائض انجام دیئے ہیں یاد رہے ہیں: ۱۔ مولانا غلام رسول مرحوم۔ ۲۔ جناب اقبال مہدی ۳۔ مولانا دلبر حسنین ۴۔ مولانا مظفر محسن ۵۔ مولانا گوہر علی ۶۔ مولانا رضوان عباس ۷۔ مولانا ضیغم علی ۸۔ مولانا افتخار حسن ۹۔ مولانا کلب حسن (موجودہ مدرس) ۱۰۔ مولانا غلام حسنین (موجودہ مدرس)

۱۱۔اختیار حسین عرف ماسٹر صفدر(موجودہ مدرس)۔

۳۔مدرسہ نسواں باقر العلوم

مدرسہ نسواں باقر العلوم، محلہ حسین آباد میں مسجد امام مہدی کے دائیں جانب کچھ فاصلہ پر واقع ہے۔ اس مدرسہ کی زمین راجدھاری کوئیری سے لی گئی تھی اور اس زمین کے خریدنے میں مومنین نے بھرپور مدد کی تھی لہذا اس کا قیام ۱۹۹۰ء میں ہوا اور چونکہ یہ مدرسہ نسواں تعلیم کی غرض سے کھولا گیا تھا لہذا لڑکیوں کی تعلیم شروع کردی گئی جس میں کنیز فاطمہ مرحومہ بنت مناظر حسین مرحوم نے پڑھانے کی ذمہ داری قبول کی اور سالوں تک آپ تدریسی خدمات انجام دیتی رہیں۔

مدرسہ کی پرانی عمارت ایک چھوٹے سے کمرے اور صحن پر مشتمل تھی لیکن عمارت کے قدیم اور خستہ حال ہونے کے سبب مومنین سے چندہ وصول کیا گیا اور ۱۹۹۶ء-۱۹۹۷ء میں جدید تعمیر بھی پرانی عمارت کو مد نظر رکھ بنائی گئی ہے[۱]۔اس مدرسہ کے پہلے سکریٹری جناب عبادت حسین اور ان کے بعد کی ترتیب درج ذیل ہے: جناب ظہیر الحسن، جناب حاجی صفدر حسین، جناب عون محمد، جناب کوثر علی، جناب علمدار حسین اور جناب عالم حسین (موجودہ سکریٹری)۔

البتہ یاد رہے کہ شیعوں کی آبادی بڑھنے کے سبب محلہ حسین آباد میں دو مزید مدرسہ قائم ہوئے ہیں جو بحسن وخوبی چل رہے ہیں جن میں ایک ''مدرسہ شیعہ امامیہ'' ہے جس کے بانی جناب علمدار حسین ہیں اور دوسرا ''مدرسہ جامعہ مصباح الھدیٰ'' ہے جس کے بانی وموسس مولانا محمد مہدی معروفی ابن ناصر حسین مرحوم ہیں۔

---

[۱]۔جناب ظہیر الحسن، جناب ذاکر حسین ومولانا محمد مظہر حسین سے لی گئی معلومات۔

د: عزاداری وجلوس

ماہ محرم اسلامی کلینڈر کا پہلا مہینہ ہے، اس مہینہ کی دسویں تاریخ کو کربلا کے میدان میں امام حسین علیہ السلام اپنے بہتر اعزاء و رفقاء کے ساتھ شہید کر دیئے گئے تھے۔ اس المناک واقعہ کی یاد میں تمام مسلمانان عالم محرم آتے ہی متاثر ہو جاتے ہیں اور پہلے دس دن ان کا سوگ مناتے ہیں۔ پورہ معروف کی عزاداری اور جلوس بیان کرنے سے پہلے شمالی ہندوستان میں عزاداری اور تعزیہ کی مختصر تاریخ بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

محمد باقر شمس تحریر فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں تعزیہ داری کا وجود بہت پہلے سے تھا دکن میں عاشور خانے، سندھ میں امام بارگاہیں تھیں، شمالی ہندوستان میں پھونس اور کپڑے کے امامباڑے محرم میں بنائے جاتے تھے[1]۔ اور لکھنؤ اور اطراف کے مسلمان بھی محرم کے ابتدائی دس دنوں میں رائج الوقت مراسم عزا بجالاتے تھے، اور اسی زمانے کے طرز پر تعزیے بھی بنتے اور رکھے جاتے تھے، لیکن تعزیہ خالص ہندوستانی چیز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تیمور شاہ نے ہندوستان میں اپنے دوران قیام تعزیے کی بنا ڈالی تھی جس کو بہت جلد مرجعیت حاصل ہو گئی تھی۔ چنانچہ شیخوں کے دور اقتدار میں جو عزاداری ہوتی تھی اس میں اسی پرانے طرز کے تعزیے رکھے جاتے تھے اور مراسم میں باک بنوٹ، اکھاڑوں، ڈھول، دماموں، باجوں، تاشوں کا رواج تھا جو مدتوں تک اپنے پرانے طرز ہی پر برقرار رہا تھا۔

اودھ کے فرمانروا ایرانی نسل اور عقیدتاً شیعہ تھے ان کو امام حسین علیہ السلام کی عزاداری سے بہت شغف تھا اس لئے اودھ کی حکومت قائم ہوتے ہی جدید طرز کی عزاداری معرض وجود میں آ گئی تھی۔ آصف الدولہ نے جب لکھنؤ کو دارالحکومت بنایا تو کچھ ہی مدت کے بعد درباری مذہب شیعہ ہو گیا تھا اور بہت جلد مولانا سید دلدار علی (مجتہد) مذہبی امور میں مقتدر ہو گئے۔ انہوں نے عزاداری کی ترویج ہی نہیں کی بلکہ اس کی طرز میں اصلاحات بھی نافذ کئے انہوں نے شہنائی، روشن چوکی اور ماہی مراتب کو جلوس ہائے عزا میں شامل کرنے کی مخالفت کی، مالک اور پٹے کے کرتبوں کو عزاداری کی متانت کے منافی قرار دیا، جانوروں کی

---

[1] ۔ تاریخ لکھنو، محمد باقر شمس، ص ۳۱۱

تصاویراوران کے مجسموں کواستعمال کرنا خلاف شرع قرار دیااوران سب لوازمات کے بجائے جنگی باجے کی اجازت دی۔تعزیوں کے جلوسوں میں مہندی،علم اور ذوالجناح کی شمولیت کو جائز قرارنہیں دیا بلکہ ہمت افزائی کی کیوں کہ یہ تمام نئے لوازمات عزاداری کے جلوسوں میں ضروری قرار پاگئےلیکن ان کے ممنوعات بھی برقراررہے کیونکہ عوام میں ان کی مقبولیت مسلم تھی اوراودھ کے حکمراں اتنے وسیع النظر تھے کہ انہوں نے اپنی رعایا کے مذہبی رجحانات میں کسی قسم کی کوئی مزاحمت کبھی پسند نہیں کی، درباری عزاداری میں مجتہد کا حکم جاری وساری ہوگیالیکن عوام کا چلن اپنے طرز پر برقراررہا۔محرم اورعزاداری کا یہ سلسلہ بہرحال دس دن تک جاری رہتا تھااورمحرم کی بارہویں تاریخ کوسوگ نشینی کی مدت ختم ہوجاتی تھی۔یہی دستور آصف الدولہ، سعادت علیخاں اورغازی الدین حیدر کے زمانے تک جاری رہا تھا۔

غازی الدین حیدر کے صاحبزادے اور جانشین نصیرالدین حیدرفرمانروا ہوئے توانہوں نے محرم کے مراسم میں اضافے کر کے بیسویں صفرتک سوگ نشینی کی مدت کو بڑھا دیا۔نصیرالدین حیدر کوعزاداری اور سوگ نشینی سے اتنا شغف تھا کہ وہ اس ایک ماہ اوربیس دن میں تاج شاہی زیب فرق کرنے سے بھی پرہیز کرتے تھے چونکہ بادشاہ کی تاج سے نسبت لازم وملزوم کی تھی اس لئے وہ ان ایام میں مور کے پروں کا بناہوامخصوص تاج استعمال کرتے تھے۔محرم اورعزاداری سے گرویدگی جونصیرالدین حیدرکوتھی وہی ان کے بعدان کے جانشینوں میں بھی برقراررہی بلکہ ایک کے بعد دوسرے کے دوراقتدار میں یہ والہگی بڑھتی رہی، چنانچہ واجدعلی شاہ کومحرم اورعزاداری سے انہاک تھا کہ وہ شب عاشورعوام کے گھروں میں جاکرتعزیے خانوں کی زیارت کرتے اور ہرہرمقام پرکچھ چڑھاوا چڑھاتے تھے۔ایک توبادشا کا تشریف لانا اوردوسری طرف کچھ نہ کچھ مالی منفعت ہوجانا اس طرزعمل کی وجہ سے لکھنؤ میں گھر گھرتعزیہ داری کوفروغ ہوگیا تھا۔بعد انتزاع سلطنت لکھنؤ والوں نے سوگ نشینی کی مدت میں توسیع کر کے اس زمانے کو ۸/ ربیع الاول تک بڑھادیا تھااوروہی چلن اب تک برقرار ہے[۱]۔

اودھ کی حکومت میں اودھ کے تمام علاقوں میں عزاداری اپنے تمام آب وتاب کے ساتھ اوربغیر

۱۔قدیم لکھنو کی آخری بہار،مرزاجعفرحسین،ص ۲۲۳-۲۲۴،ناشرقومی کونسل برائے فروغ اردوزبان،نئی دہلی،دوسراایڈیشن ۱۹۹۸ء

کسی قید مذہب وملت کے منائی جاتی تھی۔ اسی طرح مشرقی شمالی ہندوستان میں بھی اسی زمانے میں عزاداری کی توسیع ہوئی جیسا کہ قاضی اطہر بیان کرتے ہیں کہ نوابین اودھ کے زمانے میں شیعیت کی تبلیغ کا کام بہت منظم تھا، ہمدردی اور دلداری کے علاوہ ان کی طرف سے مختلف علاقوں میں مبلغین بھیجے گئے، مدرسے، امامباڑے اور چوک تعمیر ہوئے، تعزیہ داری کے لئے معافیاں دی گئیں، قصبہ مبارکپور میں نواب شجاع الدولہ کے دورِ حکومت ۱۲۰۹ھ میں مولوی رمضان علی نے یہاں آکر ایک شاندار امامباڑہ تعمیر کیا اور اس کے اندر چبوترہ اور پنجہ نواب سعادت علی خاں کے دور ۱۲۱۶ھ میں بنوایا، اس زمانے میں ایسی شاندار عمارت اس دیار میں نہیں تھی، یہ عمارت طغرے اشعار اور نقش ونگار سے مزین تھی۔ اسی زمانے میں شیخ سیف علی، باہر سے یہاں آئے اور انھوں نے بھی تبلیغ واشاعت کے ساتھ امامباڑہ رمضان علی کے بالمقابل جنوبی سمت میں ایک امامباڑہ تعمیر کیا جو بعد میں منہدم ہوگیا، شیخ چراغ علی بھی اسی دور میں شیعیت کی تبلیغ کے سلسلے میں اس قصبے میں آئے جنہوں نے قصبہ کے مغرب میں ایک پرفضا باغ میں شاہ پنجہ کے نام سے ایک عظیم الشان امامباڑہ تعمیر کیا، بازار میں ایک قدم رسول نامی عمارت بھی اسی دور کی ہے، ان کے علاوہ کئی اور امامباڑے اس دور کے بنے ہوئے اب تک موجود ہیں[۱]۔

اگر یہ کہا جائے کہ پورہ معروف میں عزاداری کا وجود اسی وقت سے رائج ہے جب سے یہاں مسلمانوں کی آبادی ہے تو شاید مبالغہ نہ ہو کیونکہ خود جناب عثمان معروفی نے لکھا ہے کہ اس بستی میں عزاداری ایام قدیم سے رائج ہے اور سنی وشیعہ کے تقریبا سبھی گھرانے کرتے تھے[۲]۔ لیکن بعد میں مولانا طاہر کی تبلیغات کے نتیجے میں اہل سنت حضرات کے گھروں سے یہ رسم ختم ہوگئی[۳]۔ اس کے بعد یہ عزاداری صرف اور صرف شیعوں سے محدود ہوگئی اور شروع شروع میں محلہ بلوہ، محلہ پارہ اور محلہ بانسہ پر موجود شیعوں کے کچھ گھرانے کے لوگوں نے عزاداری اور تعزیہ داری کو اسی طرح باقی رکھا۔

۱۔ دیار پورب میں علم اور علما، قاضی اطہر مبارکپوری، ص ۱۱۲ - ۱۱۳، ناشر ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی، فروری ۱۹۷۹ء

۲۔ حیات طاہر، ص ۱۳۰

۳۔ ایضا، ص ۱۳۳

بزرگوں سے لی گئی اطلاع کے مطابق دسویں محرم اور بیسویں صفر کو سبھی تعزیئے صدر امامباڑہ کے پاس آ کر منزل لیتے اور وہاں سے بڑے تعزیئے کے ساتھ ماتمی دستہ نوحہ خوانی وسینہ زنی اور گریہ زاری کرتے کربلا تک آتے اور منزل لیتے تھے جہاں جلوس ختم کر کے ہر تعزیئے کے سہرے دفن کئے جاتے، اس کے بعد تمام تعزیئے اپنے اپنے عزاخانوں کو واپس چلے جاتے تھے[1]۔ جس کا سلسلہ آج بھی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ جاری وساری ہے اور سارے تعزیئے ہر امامباڑہ سے اٹھا کر اپنی متعلقہ انجمن کے زیر انتظام نوحہ خوانی وسینہ زنی کرتے ہوئے راستہ میں کہیں منزل کیے بغیر کربلا تک لائے جاتے ہیں اور وہاں پر دفن کی ساری رسومات کی ادائیگی کے بعد اپنے اپنے عزاخانوں کو واپس چلے جاتے ہیں۔

پورہ معروف کی عزاداری کو ۱۹۳۵ء میں سرکاری طور پر رجسٹرڈ کیا گیا ہے اور یہ کام اس وقت کے حاکم پرگنہ گھوسی، جناب پرمیشور دیال[2] کے حکم اور بزرگوں کی مساعی سے پورہ معروف کی عزاداری کو کوپا گنج تھانہ میں تہوار رجسٹر نمبر آٹھ میں تمام تعزیہ داروں کے نام ونشان کے ساتھ اور مندرجہ ذیل ترتیب کے ساتھ درج کیا گیا ہے:

۱۔ تعزیہ نمبر ۱: جناب تصدق حسین کربلائی محلہ پرانا پورا کے نام سے

۲۔ تعزیہ نمبر ۲: جناب عطا حسین مرحوم کے نام سے (جو پہلے محلہ پارہ سے اٹھایا جاتا تھا اور بعد میں جب جناب عطا حسین مرحوم نقل مکانی کر کے محلہ حسین آباد میں مقیم ہو گئے تو اس کے بعد سے یہ تعزیہ داری محلہ حسین آباد سے کی جاتی ہے)

۳۔ تعزیہ نمبر ۳: جناب علیم اللہ کے نام سے محلہ بانسہ

۴۔ تعزیہ نمبر ۴: جناب احمد کربلائی محلہ بانسہ کے نام

۵۔ تعزیہ نمبر ۵: جناب مناظر حسین محلہ بلوہ کے نام پر اس طرح درج ہے کہ یہاں پر گھر کے اندر عزاداری کی جاتی ہے۔

---

[1]۔ پورہ معروف کی عزاداری، تفضّل مہدی، مجلہ مودت، مالیگاوں، جلد ۱، شمارہ ۳، ص ۹، ۱۹۸۲ء

[2]. Permeshvar Dayal

اسی طرح ان تعزیہ داروں کے نام کے ساتھ ساتھ ساتویں، آٹھویں، نویں اور دسویں محرم اور انیسویں وبیسویں ماہ صفر کی تاریخ میں اٹھائے جانے والے جلوس کی تفصیلات بھی رجسٹرڈ کی گئی ہیں[۱]۔ البتہ مذکورہ جلوس کے علاوہ، دیگر تمام جلوس بعد میں موقع بہ موقع سرکاری کاغذات میں درج ہوتے رہے ہیں جیسے تعزیہ نمبر ۶، یعنی انجمن قمرالایمان کی نگرانی میں اٹھنے والا تعزیہ جناب علمدار حسین کے بقول ۱۹۷۳ء میں رجسٹر ہوا ہے۔ اور گیارہویں محرم کو جناب مہدی اصغر کے گھر سے نکلنے والا جلوس، انہیں کے بقول ۱۹۸۳ء میں رجسٹرڈ ہوا ہے۔

وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے شیعوں کی آبادی میں اضافہ ہوتا گیا لوگ عزاداری اور تعزیہ داری کو انجمن کی شکل دیکر منظم کرتے گئے اور اس طرح محرم وصفر کے تمام جلوس اور پروگرام ایک ایک انجمن کے تحت اور انجمن سے متعلقہ امامباڑوں میں انجام دیئے جانے لگے جس کا سلسلہ آج تک باقی ہے اور اس کی ساری رسومات کو شیعہ حضرات بڑے ہی رنج وغم کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ محرم کا چاند نمودار ہونے سے ایک دن پہلے ہی عزاداری کی ساری تیاریاں شروع ہوجاتی ہیں اور بستی کے تمام عزاخانوں میں ۲۹ ذی الحجہ سے مجالس شروع ہوجاتی ہیں جس کا سلسلہ محرم کی بارہویں تاریخ تک چلتا ہے۔ ان مجالس کو اکثر وبیشتر مقامی ذاکر اور مقامی مولانا خطاب کرتے ہیں۔ عزاخانوں کے علاوہ بعض گھروں میں بھی ۱۲ / دن مجلس کا اہتمام کیا جاتا ہے، ساتویں محرم سے لیکر بارہویں محرم تک مجلسیں زیادہ ہوتی ہیں۔ یہاں پر یہ تذکرہ کرنا ضروری ہے کہ بستی میں شیعوں کے درمیان چار انجمنیں، انجمن اسلامی، انجمن معصومیہ، انجمن مظلومیہ، انجمن قمرالایمان ہیں جو اپنے اپنے مخصوص انداز میں نوحہ خوانی کرتی ہیں اور محرم وصفر کے سارے جلوس کو بحسن و خوبی انجام دیتی ہیں۔

جلوس کی تفصیلات

ساتویں محرم: ساتویں محرم کو نماز ظہرین کے بعد ہر انجمن کے لوگ اپنے اپنے مخصوص امامباڑوں

---

[۱]۔ جناب ڈاکٹر مہدی اصغر سے ۲۸ مئی ۲۰۱۵ء کو لیا گیا انٹرویو

سے جناب حضرت عباس علیہ السلام سے منسوب علم لیکر نوحہ خوانی وسینہ زنی کرتے ہوئے نکلتے ہیں اور یہ جلوس پورہ بازار اور محلہ حسین آباد سے ہوتا ہوابشارت پور ملک بشارت کے مزار تک جاتا ہے اور وہاں پر لوگ حضرت عباس علمدار علیہ السلام کی نذر دلائی جاتی ہے۔ پھر وہاں پر موجود ایک قدیم درخت کی جڑ میں علم کے اوپر لگایا جانے والے تمام پھولوں کو دفن کر دیا جاتا ہے اور وہیں سے ہر انجمن کا ایک فرد، ایک مشت خاک نکال کر لاتا ہے جسے تعزیہ کے اندر رکھدیا جاتا ہے اور عاشور کے دن تعزیہ کے اوپر رکھے جانے والے تمام پھولوں کے ساتھ اس مٹی کو بھی روضہ کے اندر موجود کنوئیں میں سہرایا جاتا ہے۔

آٹھویں محرم: آٹھویں محرم کا جلوس حضرت قاسم ابن امام حسن علیہ السلام سے منسوب ہے جسے محلی زبان میں ''چوکی کا جلوس'' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ یہ جلوس ندی کے کنارے پر واقع روضہ امام حسین علیہ السلام سے نماز مغربین کے بعد نکالا جاتا ہے یہاں بھی بستی کی ساری انجمنیں اپنے مخصوص انداز میں نوحہ خوانی وسینہ کرتی ہیں۔ انجمن اسلامی کے جلوس کا اختتام، صدر امامباڑہ میں ہوتا ہے اور دیگر انجمنیں اپنا جلوس شیعہ جامع مسجد تک لیکر جاتی ہیں اور وہاں پر زیارت وغیرہ پڑھنے کے بعد، اختتام کو پہنچاتی ہیں۔

نویں محرم: نویں محرم کو نماز مغربین کے بعد شیعہ حضرات، امام حسین علیہ السلام کی یاد میں تعزیہ اٹھاتے ہیں اور وہ حضرات یہ تعزیئے اپنے امامباڑوں سے اٹھا کر نوحہ خوانی وسینہ زنی کے ساتھ ایک معین مقام تک جاتے ہیں یعنی انجمن معصومیہ کے لوگ اپنا تعزیہ محلہ حسین آباد سے اٹھا کر پورہ بازار تک لاتے ہیں اسی طرح انجمن مظلومیہ کے لوگ اپنے دو تعزیوں کے ساتھ محلہ بانسہ سے اٹھا کر پورہ بازار تک لاتے ہیں۔ انجمن اسلامی اور انجمن قمرالایمان، اپنے اپنے امامباڑوں سے تعزیہ اٹھا کر بمقام ''اینارا''[1] تک لاتے ہیں۔

دسویں محرم: دسویں محرم کو بھی نماز ظہرین کے بعد ہر انجمن کے ممبران اپنے اپنے امامباڑوں سے تعزیہ اٹھا کر نوحہ خوانی وسینہ زنی کرتے ہوئے، ندی کے کنارے پر بنے روضہ امام حسین علیہ السلام تک لاتے ہیں۔

---

[1]۔ اینارا کے معنی کنویں کے ہیں۔ پہلے اس مقام پر ایک کنوا ہوا کرتا تھا جس کو بند کر دیا گیا لیکن اس کے نشانات آج بھی موجود ہیں۔

گیارہویں محرم: گیارہویں محرم کا جلوس آگ پر ماتم کا جلوس ہے اور یہ جلوس ڈاکٹر مہدی اصغر کے گھر سے انجمن اسلامی کے زیر نگرانی نکالا جاتا ہے جہاں گیارہویں محرم کو نماز مغربین کے بعد ایک مجلس ہوتی ہے اس کے بعد یہ جلوس کچھ علم کے ساتھ نوحہ خوانی اور سینہ زنی کرتے ہوئے آگے بڑھایا جاتا ہے جس کا اختتام ندی کے کنارے روضہ امام حسین کے صحن میں آگ پر ماتم کرنے کے بعد کیا جاتا ہے جہاں شیعہ بچے نوجوان اور بوڑھے امام مظلوم کی یاد میں باصدائے یاحسین آگ کے انگاروں پر چلتے ہیں۔

چہلم کا جلوس: انیسویں اور بیسویں صفر المظفر کو امام حسین علیہ السلام کا چہلم منایا جاتا ہے اور نویں و دسویں محرم کی طرح ہر انجمن اپنی اپنی امامبارگاہوں سے جلوس نکال کر امام حسینؑ کی یاد مناتی ہیں۔

دیگر جلوسہائے عزا: ۲۴ محرم کو جناب ذاکر حسین کے گھر سے امام سجاد علیہ السلام کی شہادت کی مناسبت سے جلوس برامد ہوتا ہے جس کا آغاز ۱۹۹۲ء سے ہوا ہے اور انجمن قمر الایمان کے زیر نگرانی یہ جلوس نماز مغربین کے بعد مجلس کرنے کے بعد نکالا جاتا ہے اور ان کے گھر سے علم و تابوت کے ساتھ نوحہ خوانی اور سینہ زنی کرتے ہوئے مسجد امام مہدی عج لے جایا جاتا ہے[1]۔ ۴/ ربیع الاول کو جناب سکینہ علیہا السلام کی شہادت کی مناسبت سے، مکرم عباس مرحوم کے گھر سے جلوس برآمد ہوتا ہے۔ اور ۳/ ربیع الاول کو بھی انہیں کی شہادت کی مناسبت سے جناب نوازش رضا مرحوم محلہ حسین آباد سے جلوس برآمد ہوتا ہے۔ ۱۹/ رمضان المبارک کو حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کی مناسبت سے جناب ذاکر حسین کے گھر سے جلوس برآمد ہوتا ہے۔ ۲۱/ رمضان کو بھی انہیں کی شہادت کے مناسبت سے حیدری امامبارگاہ سے جلوس برآمد ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی محلہ حسین آباد میں متعدد مناسبتوں پر جلوس برآمد ہوتے رہتے ہیں۔

ھ: غم و خوشی کی تقریبات

غم و خوشی اور رسم و رواج انسانی زندگی کا لاینفک حصہ ہیں، پیدائش سے لیکر آخری سانس تک غم و خوشی

---

[1]۔ یکم اپریل ۲۰۱۵ کو جناب ذاکر حسین سے لی گئی معلومات۔

کی مختلف رسومات انجام دی جاتی ہیں۔اسلامی قوانین کا پیروکار معاشرہ، اسلامی اصولوں کے ماتحت رہ کر اپنے رسومات کو انجام دیتا ہے البتہ ہر معاشرہ اور سماج کے طریقہ کار اور رسومات کی انجام دہی و ادائیگی میں فرق ہوتا ہے جیسا کہ عرب اور اسلامی ممالک میں خوشی کی تقریبات منانے کا طریقہ ہندوستانی مسلمانوں کے طریقہ انجام میں تھوڑا مختلف ہوتا ہے البتہ اس کی اصالت اور منشاء میں کوئی فرق نہیں ہوتا مثلاً عرب اور اسلامی ممالک میں شادی کی رسومات، ہندوستانی مسلمانوں کی رسومات سے تھوڑا سی مختلف تو ہیں لیکن عقد و نکاح کا طریقہ ایک ہی ہے فقط خوشیاں منانے کے طریقوں میں تھوڑا سا فرق ہے۔اسی طرح ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بھی کچھ رسمیں ایسی موجود ہیں جو علاقائی لحاظ سے ایک دوسرے کے طریقہ ادائیگی سے مختلف ہیں۔اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے غم وخوشی کی تقریبات کو بیان کیا جارہا ہے۔

ا۔خوشی کی تقریب

جس طرح ایک بچہ کی پیدائش سے لیکر خوشی وغم کی مختلف رسمیں اس کی زندگی کا حصہ بن جاتی ہیں اور معاشرے کے لوگ اپنے اپنے دینی آئین کے مطابق اس کو انجام دیتے ہیں،اسی طرح پورہ معروف میں بھی اگر کسی شیعہ کے گھر بچہ کی ولادت ہوتی ہے تو اسلامی قوانین کے مطابق اس کے کانوں میں اذان واقامت کہی جاتی ہے اور پھر اس کا نام رکھا جاتا ہے اور اس کے بعد عقیقہ وختنہ وغیرہ کی دیگر رسمیں بڑی دھوم دھام سے کی جاتی ہیں البتہ ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق اسکو ادا کرتا ہے۔جب بچہ پڑھنے کے قابل ہوجاتا ہے تو اس کی بسم اللہ کرائی جاتی ہے اور لوگوں کے منہ میٹھے کئے جاتے ہیں۔اسی طرح جب لڑکا یا لڑکی قرآن ختم کر لیتے ہیں تو اس وقت بھی میٹھائیاں تقسیم کی جاتی ہیں۔اور جوانی میں اس کی شادی کی رسومات کو ادا کیا جاتا ہے۔اور اگر کوئی شخص حج یا زیارت سے مشرف ہوتا ہے تو خاندان کے افراد اس کی دعوت کرتے ہیں اور وہ بھی لوگوں سے ملاقات کرتا ہے اور حج وزیارت سے پلٹنے کے بعد اس حاجی یا زائر کی طرف سے محلوں میں کھجوریں وغیرہ تقسیم کی جاتی ہیں۔

شادی بیاہ

شادی کی رسموں کو ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق انجام دیتا ہے نہ کوئی مہر کی رقم معین ہے اور نہ ہی جہیز کے لین دین میں کوئی مانگ۔ شیعہ حضرات شادی سے ایک دن پہلے اپنے گھر میں شہدائے کربلا کی یاد میں ایک مجلس ضرور کراتے ہیں اور اس کے بعد اپنی خوشیوں کا آغاز کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہر جگہ رسم ہے کہ لڑکے اور لڑکی کی شادی طے ہونے کے وقت دونوں کے گھر والے ایک دوسرے کے یہاں کچھ مٹھائی وغیرہ لے کر جاتے ہیں جسے منگنی کی رسم کہا جاتا ہے۔ شادی سے ایک دن پہلے والی رات کو ''رات جگّا'' کے نام سے جانا جاتا ہے جس رات لڑکی یا لڑکا دونوں کے گھروں میں ''گلگلہ'' بنایا جاتا ہے، کچھ گلگلوں کو نماز صبح سے پہلے مسجد میں بھی رکھا جاتا ہے تاکہ مومنین حضرات بھی اس خوشی میں شامل ہوسکیں۔ اس رات خاندان کے سارے افراد جمع ہوتے ہیں اور دولہا یا دولہن بننے والے کو اس کی بہنیں یا پھپھیاں ہلدی یا ابٹن لگاتی ہیں۔ شادی والے دن دولہے کو کپڑے پہنانے کے بعد گھر میں سہرا پڑھا جاتا ہے معمولا یہ سہرا اس فرد کی متعلقہ انجمن پڑھتی ہے اس سہرے میں حمد و ثنائے الٰہی اور پیامبر و ائمہ حضرات کے ذکر کے بعد دولہے کی خوشی میں شامل خاندان اور دوستوں کی خوشیوں کا اظہار، شاعرانہ انداز میں پیش کیا جاتا ہے جس کے عوض شرکاء حضرات پڑھنے والوں کو ہدیہ دیتے ہیں جو انجمن کے رفاہی کاموں میں لگایا جاتا ہے۔ سہرا ختم کرنے کے بعد دولہے کو محلہ کی مسجد میں لے جاتے ہیں جہاں وہ سجدہ شکر بجالاتا ہے پھر اسی طرح گاوں کے روضہ میں لے کر جاتے ہیں پھر بارات اپنے مطلوبہ مقام کے لیے روانہ ہوجاتی ہے۔ شادی کے دوسرے دن دعوت ولیمہ کی جاتی ہے۔

اعیاد

عید فطر اور عید قربان یہ ایسی عیدیں ہیں جسے بڑے ہی تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے لوگ عید فطر سے پہلے نئے کپڑے ضرور بنواتے ہیں اور عید والے دن اسے پہن کر نماز ادا کرتے ہیں گھروں میں پوریاں، سویّاں، گلاب جامن اور شاہی ٹکڑے بنتے ہیں۔ گھر کے بڑے لوگ اپنے سے چھوٹوں کو عیدی

دیتے ہیں۔نماز کے بعد لوگ ایک دوسرے سے گلے ملتے اور مبارکباد دیتے ہیں۔ایک دوسرے کے یہاں سویاں کھانے جاتے ہیں ہماری بستی میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہونے کیوجہ سے ایک ہفتہ تک عید کا سماں رہتا ہے۔

عید قربان کے موقع پر بھی عید فطر جیسی ہی ساری چیزیں انجام دی جاتی ہیں۔البتہ اس روز لوگ بکرے، بھیڑ یا بھینس کی قربانی کرتے ہیں جس کی جتنی حیثیت ہوتی ہے وہ اس کے مطابق اپنے گھر قربانی کرتا ہے اور بعض لوگ کسی ایک بھینس میں شریک ہوکر ثواب حاصل کرتے ہیں اور قربانی کے بعد قربانی کا گوشت پورے محلہ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ان دونوں عید میں شیعہ اور سنی حضرات مشترک ہوتے ہیں لیکن شیعوں کے یہاں کچھ اور عیدیں ہیں جنہیں وہ اپنے گھروں میں مناتے ہیں جیسے عید غدیر، عید مباہلہ وغیرہ شیعہ حضرات ان دنوں میں پوریاں وغیرہ بناتے اور ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں اور ان دنوں سے متعلق جو دعائیں اور نمازیں ائمہ علیہم السلام سے منقول ہیں انہیں بجالاتے ہیں۔

شب برات

چودہویں شعبان کو شیعہ حضرات دن میں حلوہ وغیرہ بناتے ہیں اور اسی شام مغرب سے پہلے یا مغرب کے بعد شیعہ سنی تمام افراد اپنے اپنے خاندان کے مرحومین کی قبر پر فاتحہ اور قرآن پڑھنے جاتے ہیں۔نماز مغرب کے بعد شیعہ حضرات امام عصر علیہ السلام کی نذر دلاتے ہیں اور غریبوں میں کھانا تقسیم کرتے ہیں۔اور اس رات جو تعقیبات اور دعائیں مقرر کی گئی ہیں انہیں پڑھتے ہیں اور نماز صبح سے پہلے عریضہ چھوڑنے ندی جاتے ہیں۔پندرہویں شعبان کا دن امام زمانہ علیہ السلام کی ولادت کا دن ہے لہذا اس خوشی میں گھر کے افراد بچوں کے لئے پٹاخے وغیرہ خریدتے ہیں تاکہ وہ خوشیاں منائیں۔

رمضان

رمضان کا مہینہ اللہ کی مہمانی کا مہینہ ہے اور روایات کے مطابق اس مہینہ میں سانس لینا بھی عبادت

ہے۔پورہ معروف کے شیعہ بھی دنیا کے تمام مسلمانوں کی طرح رمضان کا استقبال کرتے ہیں اور مسجدوں میں مومنین کے لئے افطاری کا سامان مہیا کرتے ہیں۔گھر کا ہر چھوٹا بڑا خوشی سے روزہ رکھتا ہے۔اسی ماہ میں لوگ اپنے گھر کے تمام افراد کے لئے نئے نئے کپڑوں کا انتظام کرتے ہیں جسے عید الفطر کے دن زیب تن کیا جاتا ہے۔اور شب قدر کے اعمال گھروں اور مسجدوں میں انجام دیئے جاتے ہیں۔گھروں میں عورتیں اعمال شب قدر بجالاتی ہیں اور گھر کے مرد مسجدوں میں اعمال انجام دیتے ہیں۔

محافل

شیعہ حضرات چہاردہ معصومین علیہم السلام کی ولادت کے موقع پر خصوصا ۱۷ / ربیع الاول کو پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امام صادق علیہ السلام کی ولادت کے دن، ۱۳ / رجب حضرت علی علیہ السلام کی ولادت کے دن، ۱۵ / رمضان امام حسن کی ولادت کا دن اور ۳/شعبان امام حسین علیہ السلام کی ولادت کا دن اور ۱۵ /شعبان امام زمانہ علیہ السلام کی ولادت کے موقع پر محافل کا اہتمام کرتے ہیں جس میں مقامی اور کبھی کبھی بیرونی شعراء نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں۔البتہ گذشتہ ایام میں دوطرح محافل بڑی دھوم دھام سے منعقد کی جاتی تھیں جس میں ملک کے بڑے بڑے شعراء نذرانہ عقیدت پیش کرتے تھے،جن میں سے ایک ہر سال ۱۸ ذی الحجہ کو ''جشن عید غدیر'' کے عنوان سے مدرسہ امامیہ کے صحن میں ہوتی تھی ،لیکن افسوس ہے کہ مولانا تفضّل مہدی مرحوم کے انتقال کے بعد صرف ایک ہی بار منعقد کی جاسکی۔ دوسری محفل صدر امامباڑہ میں ۱۳ رجب المرجب کو ''جشن مولود کعبہ'' کے عنوان سے منعقد ہوتی تھی جو اب بھی منعقد ہوتی ہے لیکن پہلے جیسی شان وشوکت سے انعقاد نہیں ہوتا۔

نذر ونیاز

غم اور خوشی کے مختلف ایام میں یہاں کے شیعہ نذر و نیاز کا اہتمام کرتے ہیں۔البتہ معصومین علیہم السلام کی ولادت وشہادت کے موقع پر گھروں میں نذر و نیاز کا اہتمام کیا جاتا ہے لیکن بعض موقع پر یہ اہتمام

بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے جیسے تیرہ رجب، ۲۰ جمادی الثانی، ۲۲/ رجب وغیرہ جس میں ۲۲/ رجب کی نذر کو اہمیت حاصل ہے جو امام جعفر صادق علیہ السلام سے منسوب ہے۔ اس دن گھروں میں نماز صبح کے بعد کھانے پینے کی مختلف چیزوں پر نذر دی جاتی ہے اور اس کے بعد لوگ ایک دوسرے کے گھر نذر چکھنے جاتے ہیں اور آل محمد علیہم السلام پر درود بھیجتے ہیں۔

۲۔ غم کی تقریب

تدفین و تعزیت

جس گھر میں کسی کا انتقال ہوتا ہے تو وطن یا خاندان کے لوگ سب سے پہلے کفن و دفن کا انتظام کرتے ہیں اور میت کو دفن کرنے کے بعد نماز میت میں شریک حضرات مرحوم کے گھر آتے ہیں جہاں ایک مختصر سی تقریر میں حقیقت موت اور مصائب بیان کیا جاتا ہے اور پھر لوگ سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں اور مرحوم کے رشتہ داروں کو تعزیت پیش کرتے ہیں۔ پورہ معروف کی بستی میں شیعوں کا ایک بہت ہی پرانا دستور یہ ہے کہ مرحوم کی مجلس سوم ہونے تک لوگ ہر رات مرحوم کے گھر تعزیت پیش کرنے اور سورہ فاتحہ پڑھنے کی غرض سے جایا کرتے ہیں یعنی تین شب بعد نماز مغربین مسلسل لوگ آتے رہتے ہیں۔

مجالس ایصال ثواب

جب کسی کے یہاں کوئی دنیا سے اٹھ جاتا ہے تو گھر والے کفن دفن کے بعد اس کی ترویح کیلئے مجلسیں کرتے ہیں مرنے کے تیسرے دن مرحوم کو ثواب پہونچانے کی غرض سے مجلس کا اہتمام کرتے ہیں جسے مجلس سوم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اسی طرح چالیس دن گذرنے کے بعد بھی ایک مجلس سید الشہداء کا انعقاد کیا جاتا ہے پھر عموماً ہر سال مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے مجلس کی جاتی ہے۔

مجالس وشب بیداریاں

چہاردہ معصومین علیہم السلام کی شہادتوں کے موقع پر مجالس عزا کا انعقاد کر کے معصومین علیہم السلام کو یاد کیا جاتا ہے اور اسی طرح مظلوم امام حسین علیہ السلام اور شہدائے کربلا کی یاد میں شب بیداریاں کی جاتی ہیں۔ان شب بیداریوں میں انجمنوں کو نوحہ خوانی کے لیے بلایا جاتا ہے جو ساری رات نوحہ خوانی وسینہ زنی میں مصروف رہتی ہیں۔

پورہ معروف میں دو شب بیداریاں مشہور ہیں جس میں سے ایک محلہ حسین آباد میں جناب زینب سلام اللہ علیہا کی یاد میں صفر کے آخری ہفتہ میں ہوتی ہے اور دوسری شب بیداری جناب سکینہ بنت الحسین علیہا السلام کی یاد میں ربیع الاول کے پہلے ہی ہفتہ میں محلہ پرانا پورا مدرسہ امامیہ کے صحن میں منعقد کی جاتی ہے اور اس کے اختتام پر اٹھارہ بنی ہاشم کے تابوت کی زیارت کرائی جاتی ہے۔

تیسرا باب

شیعہ علماء واکابر

اس باب میں پورہ معروف کے شیعہ علماء واکابر کا ذکر کیا جائے گا جس میں بستی کی بزرگ شخصیات اور علمائے کرام کا ذکر، سن وسال کے لحاظ سے کیا گیا ہے البتہ دنیا سے چلے جانے حضرات کے زندگی نامے کو پہلے ہی ذکر کیا ہے۔اس کے بعد ہندوستان کے اندر رہکر دینی اور مذہبی خدمات انجام دینے والے پورہ معروف کے عالم دین اوران طالب علموں کا تذکرہ کیا جائے گا جو دوسرے ممالک میں علم دین حاصل کرنے میں مشغول ہیں۔آخر میں ان نوجوان طالب علموں کا ذکر بھی ایک مختصر خاکے کے ذریعہ کیا جائے گا جو ہندوستان کے مختلف مدارس میں زیر تعلیم ہیں۔

مولانا غلام رسول مرحوم

مولانا غلام رسول مرحوم ابن محمد سعید مرحوم نے اپنی ابتدائی تعلیم کا آغاز پورہ معروف میں موجود اہل سنت حضرات کے مدرسوں سے کیا اوراس کے بعد دینی تعلیم کو جاری رکھنے کے لیے جوادیہ عربی کالج بنارس میں داخلہ لیا اور وہاں پر سالوں تک دینی تعلیمات کا سلسلہ چلتا رہا۔وہاں سے پڑھائی کے بعد تبلیغات کا سلسلہ شروع ہوا اور انہوں نے اس تبلیغی کام کو بحسن وخوبی انجام دیا ہے۔

آپ ایک طویل عرصہ تک حیدری مسجد بھیونڈی میں امامت کے فرائض انجام دیتے رہے اور پھر تقریباً چار سال تک مکتب امامیہ گورا محمد پور ضلع امبیڈکر نگر میں دینی خدمات انجام دیتے رہے۔اس سلسلہ کا سب سے عظیم کارنامہ یہ ہے کہ آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے پورہ معروف میں شیعہ بچوں کی ابتدائی دینی اور مذہبی تعلیم کے لیے محلہ پرانا پورا میں ایک مکتب قائم کیا جس میں خود ہی درس دیا کرتے تھے اور جب ۱۹۶۸ء میں مکتب امامیہ کا وجود عمل میں آیا تو آپ ہی کو وہاں کا استاد بنایا گیا لیکن وہاں پر کچھ سال تدریس کے فرائض انجام دینے کے بعد تبلیغ اور تدریس کی غرض سے سہارنپور چلے گئے لیکن افسوس کہ پہنچنے کے دوسرے ہی دن وضو کرنے کی حالت میں دل کا دورہ ہوا اور آپ کا انتقال ہو گیا اور وہیں پر دفن بھی کر دیا گیا۔بزرگوں کے بتانے کے مطابق آپ اپنے دور کے ایک ایسے منفرد شخص تھے جو پورہ معروف میں ایام

محرم وغیرہ میں ہونے والی مجالس کو خطاب کیا کرتے تھے[1]۔

حکیم تفضّل حسین مرحوم

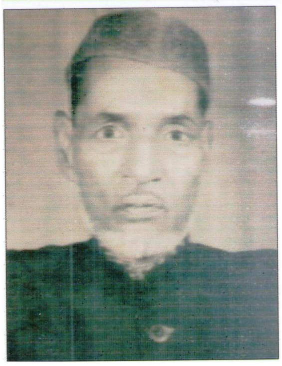

حکیم تفضّل حسین ابن تصدق حسین مرحوم، محلہ پرانا پورہ کے ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تاریخی نام "تفضّل طیب" ہے جس سے آپ کی ولادت کا سن ۱۳۳۱ ہجری نکلتا ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم گاوں ہی کے مدرسہ میں حاصل کی اور تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے کے لیے آپ نے لکھنؤ کا سفر کیا اور لکھنؤ کے مشہور و معروف مدرسہ سلطان المدارس میں داخلہ لیا جہاں پر عربی و فارسی، فقہ و اصول وغیرہ کی کتابیں پڑھیں آپ کے ہمکلاس سرکار ظفر الملت مولانا ظفر الحسن مرحوم تھے۔ آپ نے اپنے زمانے کے جید علمائے کرام سے کسب فیض کیا لیکن سلطان المدارس کی تعلیم کے دوران ہی وہاں سے چھوڑ کر گھر چلے آئے تو پھر آپ کے والد نے مولانا عطا حسین کو پا گنجی مرحوم سے کہا کہ انہیں درس دیتے رہیں اور اس طرح کئی سالوں تک آپ ان سے پڑھتے رہے اور گھر کے کام کو بھی انجام دیتے رہے۔

آپ بڑے مخلص اور محنتی شخص تھے آپ نے اپنے ذاتی مطالعہ سے حکمت اور طبابت کی تعلیم حاصل کی اور گھر ہی میں ایک مطب بھی کھول رکھا تھا جس کے ذریعہ سے عوام کا علاج و معالجہ کرتے تھے، آپ ایک ایسے حاذق اور نباض حکیم و طبیب تھے جن کی طبابت کا شہرہ گاوں کے اطراف میں دور دور تک تھا اور آج تک ان کی طبابت کی مہارت کے قصے زبانزد عام و خاص ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ آپ مذہبی امور کو دل و جان سے انجام دیتے تھے جس کی ایک واضح مثال تعزیہ داری اور تعزیہ کے راستہ کی تمام رکاوٹوں کو برطرف کرنے کے لیے تقریباً ۳۵ سال تک مقدمہ لڑنا اور اس طرح کے ہر مذہبی امور کی انجام دہی کے لیے ہمیشہ آگے چلنے

---

[1]۔ پورہ معروف کے بزرگوں جیسے مولوی اقبال مہدی، مولانا ارشاد حسین، مولانا محمد مظہر حسین وغیرہ سے لی گئی معلومات

کو تیار رہتے تھے۔محرم کے ایام میں اپنے گھر اور صدر امامباڑہ میں ہونے والے عشروں کو وہی خطاب کیا کرتے تھے او موصوف کو مضامین لکھنے سے بھی دلچسپی تھی جو موقع بہ موقع مختلف رسالوں میں شائع ہوتے تھے۔

آپ نے ۸ جون ۱۹۷۸ء مطابق یکم رجب، ۱۳۹۸ ہجری بروز پنجشنبہ داعی اجل کو لبیک کہا اور دنیا سے رخصت ہو گئے[۱]۔ دولڑکے جناب قیصر حسین، جناب شہنشاہ حسین، اور چار لڑکیاں یادگار چھوڑی ہیں۔

آپ کے انتقال پر مولانا محمد باقر جوراسی مرحوم نے دو قطعہ تاریخ کہا ہے[۲]۔ ملاحظہ فرمائیں

جنت ہے گھر حکیم تفضّل حسین کا　　اب ہے یہی خیال سبب دل کے چین کا
مہماں ہوئے جو زیور علم و عمل کے ساتھ　　ساماں جناں کو اور ملا زیب و زین کا
تھا زندگی میں شوق عزاداری حسین　　بعد اجل ہے قرب شہ مشرقین کا
تقدیر آ کے منزل مرقد میں یوں کھلی
دیکھا جمال فاتح بدر و حنین کا

۱۹۷۸ء

رواں شد تفضّل　　سوئے مالک کل
بہ ہجرش طبابت　　گلستان بے گل
حیات و مماتش　　بہ شان توکل
بہ آل پیمبر　　نمودہ توسل
بگو سال باقر
عزائے تفضّل

۱۳۹۸ ہجری

۱۔ موصوف کے بھائی جناب ڈاکٹر مہدی اصغر اور ان کے چھوٹے بیٹے جناب ڈاکٹر شہنشاہ حسین سے لی گئی معلومات ۲۰۱۶ء

۲۔ جناب شہنشاہ حسین سے لی گئی معلومات

مولانا غلام صابر مرحوم

مولانا غلام صابر مرحوم ابن غلام ہارون مرحوم، محلہ پرانا پورہ کے ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔غلام صابر موصوف کا تاریخی نام ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کی ۱۳۶۴ھ میں آپ کی ولادت ہوئی ہے۔آپ مولانا تفضّل مہدی مرحوم سے بڑے اور امانت مہدی مرحوم سے چھوٹے تھے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ اشاعت العلوم میں حاصل کرنے کے بعد مدرسہ باب العلم مبارکپور میں داخلہ لیا اور وہیں پر تعلیم حاصل کرنے کے دوران آپ پیٹ کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے جس کے سبب پڑھائی چھوڑ کر گھر آ گئے اور پھر گھر کے کام کاج میں مشغول ہو گئے لیکن ان کا یہ عارضہ بڑھتا گیا جس کے سبب آپ نے جوانی ہی میں داعی اجل کو لبیک کہا اور گھر والوں کو روتا چھوڑ کر خدا کی بارگاہ میں چلے گئے[۱]۔آپ نے ایک بیٹی اپنی یادگار چھوڑی ہے۔

مولانا تفضّل مہدی مرحوم صدرالافاضل

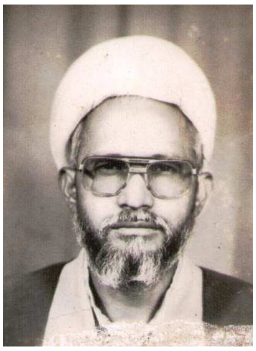

قاری مولانا تفضّل مہدی ابن غلام ہارون مرحوم، ۱۳۶۹ھ مطابق ۵/مئی ۱۹۴۸ء کو محلہ پرانا پورہ میں پیدا ہوئے اور تعلیم کا آغاز اپنے وطن کے مدرسوں سے کیا پھر بنارس و لکھنؤ میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے ایران تشریف لے گئے اور واپسی پر مدرسہ جوادیہ میں تدریس کرتے رہے لیکن مولانا کی زندگی نے آپ کے ساتھ زیادہ وفا نہیں کی اور آپ ۴۵ سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔انتقال سے دو برس قبل قلبی دورہ میں مبتلا ہوئے اور ۱۱/ربیع الاوّل ۱۴۱۴ھ، مطابق ۲۲/اگست ۱۹۹۳ء کو داعی اجل کو لبیک کہا[۲]۔

۱۔مولانا موصوف کے بھائی جناب اقبال مہدی سے لی گئی معلومات، ۲۰۱۶ء

۲۔خورشید خاور، ص ۱۱۰،

تحصیلات

مولانا تفضّل مہدی مرحوم اپنے خاندان کے دوسرے فرد تھے جنہوں نے دینی تعلیمات کا راستہ اختیار کیا اور آپ کے اس پورے تعلیمی سفر میں آپ کے والد مرحوم اور بالخصوص آپ کے بڑے بھائی مولوی اقبال مہدی نے ہرطرح کی مدد کی۔ مولانا موصوف نے ابتدائی تعلیمات اپنی بستی کے ایک اہل سنت مدرسہ اشاعت العلوم میں حاصل کی۔ اس کے بعد اس زمانے کے مشہور مدرسہ باب العلم مبارکپور میں داخلہ لیا[۱] اور وہاں سے پڑھائی پوری کرنے کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے جامعہ جوادیہ بنارس میں داخلہ لیا جہاں سے نجم الافاضل کی سند حاصل کی اور پھر سلطان المدارس لکھنؤ میں داخلہ لیا جہاں سے صدرالافاضل کرنے کے بعد ۱۹۷۴ء[۲] میں مدرسۃ الواعظین میں داخلہ لیا اور وہاں کا کورس مکمل کرنے کے بعد اپنی دینی تعلیم کو پایہ تکمیل تک پہونچایا اس کے بعد مالیگاؤں (ناسک) میں امامت جمعہ و جماعت کی ذمہ داری سنبھالی اور کچھ سال وہاں رہنے کے بعد قم ایران تشریف لے گئے۔ کچھ عرصے کے بعد سازمانِ تبلیغاتِ اسلامی نے انھیں بحیثیت مبلغ ہندوستان بھیجا۔ ہندوستان آکر آپ نے بنارس میں قیام کیا۔ یہاں آپ جامعہ العلوم جوادیہ کے مدرس بھی رہے اور ماہنامہ الجواد کی ادارت بھی سنبھالی۔ اسی عرصہ میں شہر اعظم گڈھ میں نماز جمعہ کی امامت کرتے رہے۔ مولانا موصوف بہ یک وقت اعظم گڈھ کے امام جمعہ، جامع العلوم جوادیہ کے استاد، اور اس کے دارالاقامہ کے ناظر نیز اکرام حسین پریس (جوادیہ) کے نگراں اور عمید جامع العلوم جناب شمیم الملۃ کے مؤثق و معتمد رفیق کار و مددگار تھے[۳]۔ اور جب تک حیات تھے یہ سارے امور انجام دے رہے تھے۔

اساتذہ

مولانا سید ظفر الحسن مرحوم، مولانا سید شمیم الحسن مدظلہ، مولانا شیخ زین العابدین مدظلہ، مولانا سید

۱۔ مولانا موصوف کے بڑے بھائی جناب اقبال مہدی سے معلوم کی گئی اطلاع کے مطابق

۲۔ السبیل، ص ۴

۳۔ خورشید خاور، ص ۱۱۰

الطاف حیدر مرحوم، مولانا سید کلب عابد مرحوم، مولانا سید علی مرحوم آل باقر العلومؒ، مولانا سید محمد صادق مرحوم آل نجم العلماء، مولانا سید محمد صالح مرحوم، مولانا سعادت حسین خان مرحو، مولانا سید ضیاء الحسن حیدر آبادی، مولانا سید وصی محمد مرحوم، سرکار نادرۃ الزمن مولانا سید ابن حسن نونہروی مرحوم وغیرھم[1]۔

رفقاء واحباب

مولانا شیخ ابن حسن املوی، مولانا شیخ محمد داؤد املوی، مولانا شیخ مسرور حسن واعظ مبارکپوری، مولانا سید کلب جواد، مولانا سید علی قاسم، مولانا سید حسین مہدی الحسینی غازی پوری، مولانا شیخ ممتاز علی غازی پوری، مولانا مظفر سلطان حسن ترابی، مولانا شیخ حسن مہدی جلالپوری، مولانا سید محمد جابر واعظ جوراسی، مولانا سید محسن رضا محمد آبادی، مولانا شیخ محمد مظہر حسین معروفی اور جناب قدر فیض آبادی وغیرھم[2]۔

اخلاق وصفات

بے حد خوش مزاج، ظریف الطبع محنتی و جفاکش، میانہ رو، راست گو، عالم با عمل، زاہد و متقی، ذاکر و خطیب وغیرہ[3]۔ ان کی خوش اخلاقی، بلند کرداری اور سیرت کی عظمت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جتنا جوادیہ کے طلبہ ان کے گرویدہ تھے اس سے کہیں زیادہ مومنین ان کے قریب تھے اور برابر لوگوں کو ملاقات کرنے کا شوق رہتا تھا، امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے ایک مومن کی کامیاب زندگی کے سلسلہ میں فرمایا ہے کہ زندہ رہے تو لوگوں کو ملاقات کا شوق ہو اور جب دنیا سے چلا جائے تو لوگ گریہ کریں، مولانا کی زندگی امیر المومنینؑ کے مذکورہ بالا کلمات کا مثالی نمونہ تھی[4]۔

اولاد: آپ کی شادی محلہ بلوہ پر فدا حسین مرحوم کی لڑکی سے ہوئی تھی جن سے چار بیٹیاں اور دو بیٹے

---

[1]۔ مولانا تفضّل مہدی: حیات وخدمات کے آئینہ میں، یہ مضمون مولانا مرحوم کے چالیسویں کی مجلس کے موقع پر ابن حسن املوی واعظ اور مولانا محمد داؤد قبلہ املوی واعظ کی جانب سے شائع شدہ مطبوعہ تعزیتی (پیغام) پمفلٹ سے ماخوذ ہیں۔ اور یہ پورا مضمون دو ورق اور چار صفحات پر مشتمل ہے جو اسکرین پرینٹرس، احمد آباد، گجرات سے چھپا ہوا ہے۔

[2]۔ ایضا

[3]۔ مولانا تفضّل مہدی: حیات وخدمات کے آئینہ میں

[4]۔ علمائے دیار مشرق، مولانا ناظم علی خیر آبادی، دستنویس نسخہ ص ۲۳

ہیں۔

ثقافتی اور دینی خدمات

ادارۂ عالیہ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ سے تعلیم وتبلیغ سے فارغ ہوکر سرکار ظفر الملت طاب ثراہ کے حکم و ارشاد کے بموجب حسینی امامباڑہ و مسجد مالیگاؤں ضلع ناسک ،مہاراشٹر میں محراب ومنبر کی خدمات میں مصروف ہو گئے۔ اور وہاں سے ایک عدد ماہنامہ رسالہ بنام ''مؤدت'' بھی جاری کیا۔جس کی ادارت و زعامت کی بڑی ذمہ داری خود ہی سنبھالی تھی۔ مالیگاؤں ہی سے سفر حج بیت اللہ اور اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے قم ایران کا سفر بھی کیا۔لیکن تصنیف تالیف کے ذریعہ قلمی خدمات اور محراب ومنبر اور درس وتدریس کے ذریعہ علمی ومذہبی اور تبلیغی خدمات کے جذبہ وولولہ کے سبب زیادہ عرصے تک بیرون ملک رہنا گوارا نہ کیا[1]۔

دینی خدمات

۱۔محلہ حسین آباد میں مسجد کی تعمیر اور محلہ بانسہ پر ایوان حسینی امامباڑہ کی تعمیر

مالیگاؤں کے قیام کے دوران اپنے وطن مالوف پورہ معروف محلہ بانسہ میں ایک حسینیہ بنام ''ایوانِ حسینی''،تعمیر کرایا جس میں بڑی شان سے عشرہ محرم کی تقریبات منائی جاتی ہیں۔ایوانِ حسینی کی تعمیر کے بعد محلہ حسین آباد میں ایک مسجد بنام ''مسجد امام مھدیؑ'' کا سنگ بنیاد اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھا اور تعمیر کرایا۔مرحوم جب بھی وطن آتے تھے اور جب تک رہتے تھے اسی مسجد میں نماز جماعت پڑھاتے تھے[2]۔

۲۔سہ روزہ دینی کانفرنس

پورہ معروف کی تاریخ میں ایسا پہلی مرتبہ ہوا کہ کسی نے وہاں سہ روزہ دینی کانفرنس کا انعقاد کیا ہو یہ کانفرنس مولانا موصوف کی سرپرستی میں منعقد ہوئی جس کا مقصد معاشرہ کی اصلاح تھا۔اس کانفرنس میں ہندوستان کے مشہور ومعروف علمائے کرام تقریر کرتے تھے۔ پورہ معروف کی تین خاص جگہوں پر کانفرنس کی جاتی تھی پہلے دن محلہ حسین آباد کی مسجد کے اندر اور دوسرے دن بستی کی جامع مسجد کے اندر اور تیسرے

---

[1]۔مولانا تفضّل مہدی: حیات وخدمات کے آئینہ میں

[2]۔ایضا

دن بستی کے روضہ امام حسین کے صحن میں۔ان کانفرنسوں کا سلسلہ کئی سالوں تک چلتا رہا لیکن ان کے انتقال کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا۔

۳۔محفل عید غدیر

انجمن مظلومیہ پورہ معروف کے تحت اور مولانا مرحوم کی نگرانی میں طرحی محفل غدیر کا انعقاد غالبا ۱۹۷۰ء میں ہوا تھا جو ہر سال غدیر کے موقع پر منعقد کی جاتی تھی اور شعرا کرام نذرانہ عقیدت پیش کرتے تھے۔اس محفل کا سلسلہ مولانا کے انتقال کے ایک سال بعد تک رہا لیکن ان کے انتقال کے بعد سے آج تک منعقد نہ ہو سکی۔

۴۔دارالاشاعت انجمن مظلومیہ پورہ معروف کی تاسیس

مولانا نے ۱۹۷۴ء میں دارالاشاعت انجمن مظلومیہ نام سے ایک ادارہ قائم کیا تا کہ دینی باتوں کو اس ادارے کے ذریعہ کتاب یا کتابچہ کی شکل میں چھاپ کر لوگوں کو دینی اور مذہبی باتوں کو پڑھنے کی رغبت دلا سکیں۔ جب تک آپ با حیات رہے اس ادارے سے مختلف کتابیں اور کتابچے شائع ہوتے رہے لیکن آپ کے انتقال یہ ادارہ بھی ختم ہو گیا۔

۵۔امام جمعہ و جماعت اور خطابت کے فرائض

مرحوم اپنے وطن سے قریب شہر اعظم گڑھ میں نماز جمعہ کی امامت اور یو پی، بہار، بنگال، وغیرہ میں اکثر و بیشتر محافل و مجالس میں خطابت اور محراب و منبر کی خدمت انجام دینے ہی کو حیات، مستعار کے قیمتی باقیماندہ اوقات ولمحات کے گزر بسر کا شاندار ذریعہ ومشغلہ قرار دیا اور غنیمت موقع سمجھا۔دنیاوی خواہشات و تکلفات سے دل برخواستہ ہو کر عاقبت با عافیت، عبادت و ریاضت، حصول سعادت و عزت اور فکر آخرت میں حسن وخلوص نیت کے ساتھ قرب خداوندی اور محبتِ اہل بیتؑ کا فدائی وتمنّائی اچانک حرکتِ قلب بند ہو جانے کی وجہ سے جنّت نشین بن گیا[۱]۔

۶۔جامعہ جوادیہ میں تدریس اور مجلہ الجواد کی مدیریت

۱۔مولانا تفضّل مہدی: حیات و خدمات کے آئینہ میں

آپ کو صحافت و ادارت اور زبان وقلم سے خدمت کا جذبہ وحوصلہ بہت تھا۔ جس کی قدر و قیمت یا مرحوم کے دل کی چاہت کو آپ کی مادر علمی جوادیہ عربی کالج بنارس نے برمحل محسوس کر لیا اور اپنے سایہ مرحمت و عطوفت میں جگہ دے دی۔ اور اپنے اس لائق احترام و قابل قدر علمی و روحانی فرزند کو تاحیات جدا دیکھنا پسند نہ کیا۔ بنابریں آپ نے بھی جوادیہ عربی کالج بنارس میں درس وتدریس کے فرائض کی انجام دہی اور ماہنامہ ''الجواد'' بنارس کی ادارت بخوشی قبول کر لی۔ اور انتہائی محنت ومشقت کے باوجود بیحد لگن کے ساتھ مگن ہو کر مادر علمی کی خدمت کا حق ادا کرنے میں فخر محسوس کرنے لگے۔

آپ کو تصنیف وتالیف کا ذوق وشوق زمانۂ طالب علمی سے ہی تھا۔ چنانچہ ماہنامہ الواعظ لکھنؤ جو مدت مدید تک مالی واقتصادی اور انتظامی امور کی افراتفری اور نامساعد حالات کے باعث اپنا وجود تقریباً کھو چکا تھا۔ مگر سرکار نادۃ الزمن اعلی اللہ مقامہ کے حکم سے مولانا شیخ ابن حسن املوی نے جب الواعظ کی ادارت سنبھالی تو کم ازکم رسالہ الواعظ آسمان صحافت پر اپنے قدیم خدوخال کی معمولی جھلک کے ساتھ سہی ماہ بہ ماہ ابھرنے لگا تھا۔ غرض اس وقت الواعظ کے مدیر مسئول کے تمام تر محنتوں، کوششوں، اور کاوشوں میں آپ کا قیمتی تعاون مددگار اور شریک کار رہا تھا۔ آپ کے قلمی خدمات میں کتاب ''دین کا ستون'' اور ''السبیل'' وغیرہ۔ متعدد کتابچوں اور رسالوں کے علاوہ متعدد موضوعات پر مختلف قومی و مذہبی رسالوں میں شائع ہونے والے علمی و مذہبی مضامین قلمی و علمی آثار میں شامل ہیں[۱]۔

تالیفات

الف: کتابیں

مولانا موصوف نے اپنی اس مختصر اور مصروف زندگی میں قلمی کارنامے انجام دیئے اور بہت کچھ کرنا چاہتے تھے لیکن مصروفیات اور موت نے موقع نہیں دیا پھر بھی کچھ کر گئے جو ان کو باقی رکھنے کے لیے کافی ہے۔ ہم ان کی دو تالیفات کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں۔

۱۔ دین کا ستون: اس کتاب میں ائمہ علیہم السلام سے منقول ہر نماز اور ادعیہ کا ذکر ہے۔

---

[۱]۔ ایضا

۲۔ السبیل: مذکورہ کتاب ۶۸ صفحات پر مشتمل ایک جلدی کتاب ہے جس میں موصوف نے سبیل الہی کی معرفت کو آیات و روایات کی روشنی میں بیان کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ وعظ، واعظ اور موعظہ حسنہ کی اہمیت و افادیت پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔ مولانا سید ظفر الحسن طاب ثراہ، اس کتاب کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ: ایک نوجوان سپاہی فاضل لوذعی، مولوی تفضّل مہدی واعظ جنہوں نے رسالہ السبیل لکھ کر سب سے پہلے صنف کے لئے راہ تذکرہ پیدا کی ہے اور درست بھی یہی ہے کہ انسان پہلے اپنی اصلاح کرے تا کہ اس کی رہنمائی ثمر بخش ہو سکے، ناچیز نے اس رسالہ کو شروع سے آخر تک دیکھا ہے پہلے سبیل کی توضیح آیات قرآنی کی روشنی میں نہایت سلیقہ سے کی ہے پھر آداب واعظ کو بھی قرآنی نقطہ نظر سے پیش کیا ہے، بعد از آں موعظہ حسنہ کی اہمیت پر اثر خیز تبصرہ فرمایا ہے پھر موعظہ کے وجوب اور اس کے متعلقات پر احادیث وغیرہ سے پوری روشنی ڈالی ہے غرضکہ مجموعی طور پر یہ رسالہ ہمارے نوخیز واعظین کرام اگر پڑھیں اور اثر لیں تو سابقین عظام کے لئے بھی مفید ہے[1]۔ مولانا موصوف کو اسی سلسلہ کی دوسری جلد بھی لکھنے کی خواہش تھی لیکن افسوس کی موت نے موقع نہیں دیا۔

ب: کتابچے

۱۔ **حکم خدا سبک نہ کرو:** یہ ۱۱ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ ہے جس میں مسجد کی اہمیت اور راہ خدا میں انفاق کرنے والوں اور زکات دینے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا موصوف نے مومنین کو وعظ و نصیحت کی ہے۔

۲۔ **مکالمہ دینی بسلسلہ چہاردہ صد سالہ جشن عید غدیر:** ۱۶/صفحات پر مشتمل مذکورہ کتابچہ میں عید غدیر کے چودہ سو سال پورا ہونے پر انہوں نے مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کی ولایت میں نازل ہونے والی آیہ کریمہ کو بیان کرتے ہوئے ولایت علی علیہ السلام اور غدیر کے واقعہ کو مکالماتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

۳۔ **دردمندانہ اپیل:** ۸ صفحات پر مشتمل اس رسالے میں مولانا موصوف نے انجمن مظلومیہ کی

---

[1]۔ السبیل، حصہ اول، ص ۶-۷، ناشر دار الاشاعت انجمن مظلومیہ، پورہ معروف، اعظم گڑھ ۱۴۰۰ھ

کارکردگی کو مختصر طور پر بیان کرتے ہوئے پورہ معروف میں پائے جانے علماء کا تذکرہ کیا ہے اور مومنین سے فلاحی کاموں میں مدد کرنے کی اپیل کی ہے۔

۴۔ **دہری عید:** ۱۶/صفحات پر مشتمل اس مختصر سے رسالہ میں مولانا موصوف نے ''جشن عید غدیر'' کے چودہ سال پورے ہونے اور ''تکمیل دین'' کے چودہ سو سال پورے ہونے پر لکھا ہے جس میں مکالماتی انداز میں مذہب امامیہ اور عید غدیر اور فضائل اہلبیت علیہم السلام کو بیان کیا ہے۔

۵۔ **جھلکیاں:** جھلکیاں نام کا یہ کتابچہ ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے جسے مولانا شمیم رضا معروفی نے مولانا موصوف کی نگرانی میں مرتب کیا ہے۔اس رسالے میں عید غدیر کے چودہ سو سال پورہ ہونے پر پورہ معروف میں ۱۸/ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۳/ جون ۱۹۹۰ء کو ہونے والی محفل کی ساری تفصیلات بیان کی گئی ہیں جس کی صدارت مولانا عطا حسین مرحوم نے کی تھی اور اس محفل میں پڑھنے والے سارے شعراء جیسے نشتر مبارکپوری، رضوان جلالپوری، عزمی معروفی، اطہر معروفی، ظفر معروفی، اعجاز معروفی، حماد مبارکپوری، حکیم انصار، مظہر معروفی، شاداب مبارکپوری، میثم کوپاگنجی، مظہر معصوم معروفی، انجم صدیق اعظمی اور فخر ردولوی وغیرہ کے کلام کو بھی تحریر کیا گیا ہے۔اس محفل کا مصرعہ طرح ''چودہ سو سالہ ولایت کا ہے جشن عام آج'' تھا۔مذکورہ سبھی کتابچے دارالاشاعت انجمن مظلومیہ، پورہ معروف، اکرام پریس بنارس، سے چھپے ہوئے ہیں۔

ج: مضامین

مولانا نے اپنی اس مختصر سی زندگی میں بہت سے مضامیں لکھے جن میں بہت سے مضامین دستیاب نہیں ہیں، البتہ جو مضامین ہماری دسترس میں تھے ان کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ **صلہ رحمی:** ماہنامہ الجواد، ماہ ستمبر ۱۹۹۲ء مطابق ربیع الاول ۱۴۱۳ھ، جلد ۴۳، شمارہ ۹

۲۔ **لفظ ارث، وراثت مالی کے لئے حقیقت مالی:** ماہنامہ الجواد ماہ فروری ۱۹۸۹ء مطابق ماہ رجب ۱۴۰۹ھ، جلد ۴۱، شمارہ ۲

۳۔ **واعتصموا بحبل اللہ:** ماہنامہ الجواد، ماہ ستمبر ۱۹۸۲ء مطابق ماہ ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ، جلد ۳۳، شمارہ ۹۔

۴۔ضیاء الواعظین کی کمندنگاہ: ماہنامہ الجواد ماہ اگست ۱۹۸۶ء مطابق ماہ ذی الحجہ ۱۴۰۶ھ، جلد ۳۸، شمارہ ۸

۵۔امام الخوئی اور علم کلام: ماہنامہ الجواد ماہ اکتوبر ۱۹۹۲ء مطابق ماہ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ، جلد ۴۳، شمارہ ۱۰

۶۔فاطمہ بنت نبی میراث کی حقدار ہیں: ماہنامہ الجواد ماہ جنوری ۱۹۹۱ء مطابق ماہ جمادی الثانی ۱۴۱۱ھ، جلد ۴۲، شمارہ ۱

۷۔کیا طول عمر منافی وجود حضرت حجت ہے: ماہنامہ الواعظ ماہ اگست وستمبر ۱۹۷۶ء مطابق ماہ شعبان و رمضان ۱۳۹۶ھ، جلد ۵۳

۸۔رسالت و امامت کے آبائے طاہرین مومن اور توحید پرست تھے: مودت پندرہ روزہ، ماہ جنوری ۱۹۸۳ء مطابق ۱۴۰۳ھ، جلد ۱، شمارہ ۴، ۵، مالیگاوں ناسک

۹۔پورہ معروف کی عزاداری: پندرہ روزہ مودت، یکم دسمبر ۱۹۸۲ء، مطابق ۲۰ صفر ۱۴۰۳ھ، جلد ۱، شمارہ ۳، ص ۹، مالیگاوں ناسک

۱۰۔لاالہ الا اللہ کا راز: پندرہ روزہ مودت، یکم دسمبر ۱۹۸۲ء، مطابق ۲۰ صفر ۱۴۰۳ھ، جلد ۱، شمارہ ۳، ص ۲، مالیگاوں ناسک

۱۱۔افراط وتفریط خلاف عدل ہے: پندرہ روزہ مودت، یکم فروری ۱۹۸۳ء، مطابق ۱۶ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ، جلد ۱، شمارہ ۷، ص ۳-۴، مالیگاوں ناسک

شاعر اہلبیت غضنفر علی ''انجم معروفی''

مداح و شاعر اہلبیت علیہم السلام غضنفر علی انجم مرحوم ابن ابوالحسن عرف چھوٹک مرحوم، کی ولادت ۱۹۴۹ء میں ہوئی۔ آپ کی تعلیمی لیاقت کوئی خاص نہیں تھی، فارسی و عربی کی معمولی تعلیم تھی مگر بڑی وافر صلاحتیں لے کر پیدا ہوئے تھے۔ گھر کے ادبی وشعری ماحول اور والدہ وخالہ کی آغوش شعر وسخن میں ذہنی بالیدگی اور شعور کی پختگی کا سامان موجود تھا۔ خود بھی شعر کہنے لگے اور عوام وخواص میں ان کی شاعری کا اعتبار و

وقار قائم ہوگیا۔ ان کی معیاری شاعری کی ایک اہم وجہ ان کی محنت اور فنی ریاضت بھی ہے وہ اپنی تعلیم کی کمی کو کتاب و مطالعہ کی رفاقت سے دور کرنے میں کامیاب تھے۔ طبیعت ایسی خلیق پائی تھی کہ وہ معمولی سے معمولی فرد کو بھی کلام لکھ کر دیدیا کرتے تھے، کسی کو محروم کرنا ان کی سرشت میں نہیں تھا۔ ان سے بہتوں نے شہرت و نیک نامی پائی اور ترقی کے زینے طے کر کے آگے بڑھے۔

انجم معروفی کو تمام اصناف سخن پر دسترس حاصل تھی۔ ان کے مزاج میں شاعرانہ لطافت اور بے پناہ موزونیت تھی ان کے استعمال میں آنے والے الفاظ اپنے اندر زندگی کا آبشار اور ترنم و موسیقی کا بہاو رکھتے ہیں۔ ان کے یہاں فکر کی بلندی اور نئے مضامین و خیالات کی چاندنی بھی نظر آتی ہے۔ وہ لفظوں کو سوچ سمجھ کر نگینے کی طرح اشعار میں جڑتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی شاعری صنعت مرصع کاری کا عمدہ نمونہ بن گئی ہے۔ وہ موضوع کے اعتبار سے لفظوں کا انتخاب اور صنائع و بدائع کا استعمال کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں نشتریت ملتی ہے جو ان کے قادر الکلام شاعر ہونے کی گواہی دیتی ہے۔ آپ کا انتقال ۱۹۹۹ء میں ہوا[۱]۔

مولانا مکرم عباس مرحوم

مولانا مکرم عباس ابن خادم حسین مرحوم، ۱۹۴۵ء کو پورہ معروف کی سرزمین پر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ اشاعت العلوم میں حاصل کرنے کے بعد جامعہ جوادیہ بنارس میں داخلہ لیا اور وہاں کے استاد مولانا سید ظفر الحسن مرحوم و دیگر جید اساتذہ سے کسب فیض کیا، آپ رئیس الواعظین مولانا سید کرار حسین مرحوم کے ساتھیوں میں سے تھے۔ مولانا موصوف نے جوادیہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ سلطان المدارس لکھنؤ میں داخلہ لیا اور وہاں پر بھی

۱۔ سخنوران اعظم گڑھ [حصہ اول الف]، قمرالزماں مبارکپوری، ص۴۷۶-۴۷۷، جعفری لائبریری محلہ حیدرآباد، لکھٹی گیٹ، مبارکپور، اعظم گڑھ، ۲۰۱۵ء

اس زمانے کے مشہور و معروف اساتذہ مولانا سید محمد رضوی، مولانا سید علی رضوی وغیرہ سے علم دین حاصل کرنے کے بعد دینی و مذہبی امور میں مصروف ہو گئے۔ البتہ ذریعہ معاش کے سلسلہ میں تقریبا آٹھ سالوں تک بیوی بچوں کے ساتھ بھیونڈی، بمبئی میں گذارے اور پھر وہاں سے واپس آنے کے بعد مستقل طور پر وطن ہی میں رہنے لگے اگرچہ انہوں نے بعد میں اس لائن سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی لیکن پھر بھی گاوں کے مذہبی امور کی انجام دہی میں آگے آگے رہتے تھے۔ آپ کا انتقال ۳/ستمبر ۲۰۰۵ء کو ہوا اور آپ نے دو بیٹے اور تین بیٹیاں یادگار چھوڑی ہیں[1]۔

اقبال مہدی ''عزمی معروفی''

مولوی اقبال مہدی ابن غلام ہارون مرحوم، ۱۳۵۳ھ کو محلہ پرانا پورا کے ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم گاوں کے مدرسہ اشاعت العلوم میں حاصل کی وہاں کی تعلیم ادھوری چھوڑ کر گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئے لیکن گھر کے کام کاج کے ساتھ ساتھ کتابوں کے مطالعہ اور شعر و شاعری کا بھی شوق تھا۔ آپ نے بیشمار نوحے، قصیدے، نعت اور سہرے کہے ہیں۔ شعر و شاعری کے علاوہ آپ پورہ معروف بستی کے مشہور و معروف مرثیہ خواں بھی ہیں۔ آپ ایک علم دوست شخص ہیں کہ جن کی بے پناہ علم دوستی اور حوصلہ افزائی کے نتیجے میں آپ کی خاندان میں علم دین حاصل کرنے کا ایک سلسلہ مولانا غلام صابر مرحوم اور مولانا تفضّل مہدی مرحوم سے شروع ہوا جو آج بھی باقی ہے۔ آپ علم دین حاصل کرنے والے بچوں سے بہت پیار و محبت کرتے ہیں اور انہیں اس راہ میں بڑھنے کی ترغیب دیتے رہتے ہیں۔

آپ ۱۹۷۲ء سے ۱۹۸۶ء تک مدرسہ امامیہ کے سکریٹری اور مدرس بھی رہے ہیں اور اس چودہ سالہ خدمات کے دوران ہر تین یا چار سال پر ''روداد'' نام کا کتابچہ نکالتے تھے جس میں مکتب امامیہ میں

---

[1]۔ مولانا موصوف کے بڑے بیٹے جناب اختر عباس سے لی گئی معلومات ۲۰۱۶ء

مومنین کی طرف سے دیئے جانے والے چندوں کی رقم اور اس کے اخراجات کی تفصیلات کے ساتھ ساتھ کچھ دینی مسائل اور مذہبی مباحث بھی تحریر ہوتی تھیں۔ انہوں نے جہاں مکتب و مدرسہ میں تدریس کے فرائض انجام دیئے ہیں وہیں اپنی جوانی سے لیکر آج تک روضہ امام حسین علیہ السلام کی دیکھ بھال کرتے آرہے ہیں اور ہر جمعرات کو روضہ میں ہونے والی مجلس کا اہتمام کرنا، چراغ بتی کرنا، چند سالوں میں رنگائی وغیرہ جیسے امور کو بخوبی انجام دیتے آئے ہیں۔ اللہ تعالی آپ کو طول عمر عطا فرمائے۔

مولانا محمد مظہر حسین صدر الافاضل

مولانا محمد مظہر حسین ابن فدا حسین مرحوم اپنے وطن پورہ معروف، محلہ بلوہ کے ایک مذہبی گھرانے میں ۱۳۶۵ھ کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنے وطن کے مشہور مدرسہ معروفیہ سے کیا، درجہ مولوی تک پڑھائی کرنے کے بعد ۱۹۶۲ء میں مدرسہ سلطان المدارس میں داخلہ لیا جہاں صدر الافاضل کی ڈگری سے نوازے گئے۔

آپ کا شمار سلطان المدارس کے ممتاز، لائق، باصلاحیت طالب علموں میں ہوتا تھا جب آپ سلطان المدارس کے آخری درجہ میں تھے تو اس دوران مدرستہ الواعظین میں اختبار دے کر وہاں بھی داخلہ لے لیا۔ آپ نے اپنی تعلیم کے دوران جید علماء وافاضل استاد مولانا محمد عثمان معروفی، مولانا علی حسین، مولانا الطاف حیدر، مولانا کلب عابد، مولانا سید علی رضوی، مولانا سید محمد صالح رضوی، مولانا محسن نواب، مولانا ابن حسن نونہروی وغیرہ سے کسب فیض کیا ہے۔

۱۹۷۶ء میں مدرستہ الواعظین سے فراغت کے بعد مدرسہ کی طرف سے بطور مبلغ کئی جگہوں کا سفر کیا اور پھر تبلیغ دین کے لیے مستقل طور پر گجرات چلے گئے جہاں تقریبا ۳۵ سال سے کوڑی نار گجرات میں امام

جماعت وتبلیغ کے فرائض انجام دے رہے ہیں البتہ گجرات میں قیام ہی کے دوران ۱۹۸۲ء میں ماریس آفریقا کا سفر کیا جہاں دو سال تک دینی خدمات انجام دیتے رہے اور اسی طرح محرم کی مجالس خطاب کرنے کی غرض سے کئی مرتبہ لندن کا سفر بھی کیا ہے اور ایک سال مدرسہ باب العلم مبارکپور کے پرنسپل اور استاد بھی رہے ہیں[۱]۔ چونکہ آپ ایک بہترین خطیب بھی ہیں لہذا مجالس ومحافل کو خطاب کرنے کے لیے ہندوستان کے مختلف علاقوں کا بھی سفر کیا ہے اوران کا یہ سفر آج تک جاری ہے۔ آپ کی شادی محلہ پرانا پورا حکیم تفضّل حسین مرحوم کی بیٹی سے ہوئی ہے جن سے چار بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔

مولانا ارشاد حسین ممتاز الافاضل

استاذ الاساتذہ مولانا ارشاد حسین ابن محمد شمس الدین ابن محمد سلیمان کربلائی، ۱۸/ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو پورہ معروف میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ اشاعت العلوم محلہ پارہ میں حاصل کی اور منشی زین العابدین اور مولانا عبدالرؤف کی شخصیت نے انھیں پروان چڑھایا منشی جی نے درجہ پنجم تک حساب میں اس درجہ مہارت پیدا کردی کہ آگے چل کر بغیر کسی کی مدد کے صرف ذاتی محنت کے ذریعہ منشی الہ آباد بورڈ کا امتحان اختیاری مضمون حساب کے ساتھ پاس کیا۔ وہ بچپن ہی سے ذہین وفطین واقع ہوئے ہیں انھیں شروع ہی سے عقلی علوم سے دلچسپی تھی علم حساب میں جو معقولات کی اہم قسم ہے، ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ پرائمری درجات میں جب ان کی کاپی چک ہوتی تھی تو ان کا حساب کبھی غلط نہ ہوتا تھا بلکہ وہ اتنی سرعت کے ساتھ حساب حل کرلیا کرتے تھے کہ لوگ دنگ رہ جاتے تھے ادھر بلیک بورڈ پر استاد سوالات مکمل کرتے اور ادھر ان کے جواب کی کاپی مکمل ہوجایا کرتی تھی چنانچہ حساب کے استاد انہیں حسابی کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔

پورہ معروف کے شیخ الحدیث حضرت علامہ زین العابدین طاب ثراہ سے ان کے والد کے بڑے

۱۔ مولانا محمد مظہر حسین سے انٹرویو کے ذریعہ معلوم کی گئی اطلاعات، ۲۵/ ۸/ ۲۰۱۵ء

اچھے روابط تھے وہ ایک بار اپنے فرزند کو علامہ کے پاس لے گئے اور کہا کہ دیکھئے سلمہ کیا پڑھتے ہیں اور ان کی استعداد کیا ہے؟ اس وقت وہ نحو میر کے درجہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے علامہ نے سوال کیا کہ بتاؤ اسماء ستہ مکبرہ کا اعراب کیا ہے؟ انہوں نے فوراً اعراب بتادیا تو علامہ نے دوبارہ پوچھا کی مکبرہ کا مطلب بھی سمجھتے ہو؟ انہوں نے برجستہ جواب دیا کہ ہاں جو مصغر نہ ہو، یہ سن کر شیخ الحدیث نے ان کی پیٹھ ٹھونکی، انھیں شاباش کہا اور ان کے عالم ہونے کی پیش گوئی کی نیز ان کے والد کو ان کے بچے کے ہونہار ہونے پر مبارکباد دی۔

۱۹۶۲ء کے آغاز میں مدرسہ باب العلم مبارکپور کے درجہ ششم میں داخلہ لیا خوش قسمتی سے یہاں انھیں دو قابل اور محنتی اساتذہ کرام کی سرپرستی حاصل ہوئی ایک علامہ علی ارشاد نجفی مبارکپوری دوسرے مولانا فیاض حسین مبارکپوری، ان دونوں شخصیتوں نے ان کی بنیادی تعلیم کو اس قدر مضبوط کر دیا کہ عربی زبان و ادب، فقہ و اصول، بلاغت و عروض اور منطق و فلسفہ میں کما حقہ استعداد فراہم ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۶۵ء میں مولوی الہ آباد بورڈ کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔

۱۹۶۶ء کے شروع میں مشارع الشرائع جامعہ ناظمیہ لکھنؤ کے درجہ عالم الف میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۲ء میں ممتاز الافاضل کی سند حاصل کی، جامعہ ناظمیہ کی طالب علمی کے دوران جن اساتذہ کرام نے ان کی شخصیت کو سنوارنے میں اہم کردار ادا کیا ان میں مفتی احمد علی طاب ثراہ، مولانا مرتضی بزرگ، مولانا مرتضی نقوی، مولانا روشن علی، علامہ محمد حسین نجفی، مولانا حکیم محمد اطہر، مولانا محمد شاکر رحمہم اللہ وغیرہم کے اسمائے گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

۱۹۷۲ء میں ناظمیہ سے فراغت کے بعد موضع دھیاور تحصیل ٹانڈہ ضلع امبیڈکر نگر کے مدرسہ امامیہ صابرہ نقی“ میں مدرس مقرر ہوئے اور تقریباً آٹھ سال تک وہاں تدریس کے فرایض انجام دیئے آج بھی لوگ انہیں بڑی عقیدت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور خوشی و غم کی تقاریب میں مدعو کرتے ہیں۔ ۱۶/ جون ۱۹۸۰ء کو مدرسہ باب العلم مبارکپور میں درجات عالیہ کے مدرس کی حیثیت سے تقرر ہوا چند برس تدریس کے بعد جامعہ ایمانیہ ناصریہ جونپور چلے گئے جہاں برسوں درجات عالیہ کی تدریس کے فرایض انجام دیتے رہے۔

اکتوبر ۱۹۸۸ء میں مولانا ناظم علی خیرآبادی کے زیر سرپرستی جامعہ حیدریہ خیرآباد کا قیام عمل میں آیا جس کے اولین مدرس مقرر ہوئے اور نہایت جانفشانی سے جامعہ کی تعلیم کو آگے بڑھایا، جامعہ حیدریہ چھوڑنے کے بعد پھر اپنی مادر علمی مدرسہ باب العلم میں درجات عالیہ کی تدریس میں مصروف ہوگئے اور اپنے علمی فیض سے بیشمار طلبہ کو فیضان پہونچایا، دو دہائی سے زیادہ کی طویل مدت گذارنے کے بعد ۲۰۱۲ء میں اسی مدرسے سے ریٹائر ہوئے اور آج کل علالت کے باعث وطن میں مقیم ہیں۔ خداوند عالم انھیں شفائے کامل عطا فرمائے۔ آمین۔

طریقہ تدریس: موصوف کا طریقہ تدریس ایسا ہے کہ بچوں کے ذہن میں درس کا مفہوم نقش ہوجایا کرتا ہے وہ بچوں کو بڑے خلوص سے درس دیتے ہیں ان کی نظر ہمیشہ کمزور طلبہ کی تعلیم پر ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے پڑھائے ہوئے بچے ان کی کتابوں میں کبھی ناکام نہیں ہوئے، مدرسہ بورڈ کے امتحانات کے دوران ان کی جلالت علمی کا صحیح اندازہ ہوتا ہے ان سے جس فن کا جو سوال کیا جاتا ہے فی البدیہہ ہر سوال کا تشفی بخش جواب دیدیا کرتے ہیں جیسے تمام علوم ان کے سامنے مستحضر ہوں یہ کمال بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔

انہیں منطق اور فلسفہ میں مکمل عبور حاصل ہے اور منطق وفلسفہ کے دقیق مسائل اور گتھیوں کو سلجھانے میں بڑی مہارت رکھتے ہیں اور بعض اہم دقیق مسائل کو سلجھانے میں الگ الگ مثالوں کا سہارا لیتے ہیں یہاں تک کہ اپنی بات طالب علموں کے ذہنوں تک کما حقہ منتقل کردیں، یوں تو انہیں جملہ علوم میں کامل دسترس حاصل ہے لیکن عقلی علوم میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ وہ اپنے ہمعصروں میں ایک ممتاز مفکر اور ماہر تعلیم کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں، ان کے منفرد انداز تدریس کا ہر ایک معترف ہے، ان کا فلسفیانہ طرز گفتگو، استدلالی انداز اور ذو معنیین کلمات کا استعمال سننے والوں کے دلوں کو موہ لیتا ہے وہ طلبہ سے سوال کچھ اس انداز میں کیا کرتے ہیں کہ اکثر ان کے سوال میں جواب پوشیدہ ہوا کرتا ہے۔ ذہین طلبہ ان کی اس خصوصیت سے واقف ہیں اس لئے ادنیٰ فکر کے بعد مشکل سے مشکل ترین سوال کا جواب آسانی سے دیدیا کرتے ہیں، ان کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے اپنے دروس کے ذریعہ طلبہ کے ذہن کی تعمیر وترقی

میں اہم کردارادا کیااوران کے ذہنی نشو ونما کومہمیز کیا تا کہ ان کی فطری صلاحیتیں آزادانہ طور پر ترقی کرسکیں اوران میں خوداعتمادی کا جذبہ پیدا ہو۔

تلامذہ: ان کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں جن میں مولانا سید سلطان حسین، مولانا سید محمد اسلم، مولانا ہادی حسن فیضی، مولانا کرار حسین اظہری، مولانا حسن اختر، مولانا جعفر حسین، مولانا مرغوب عالم، مولانا اصغر اعجاز قائمی، مولانا کاظم علی واعظ، مولانا ظہیر عباس، مولانا مختار محسن، مولانا ظفر النقی، مولانا سبط حیدر، مولانا ضرغام حیدر، مولانا محمد محسن، مولانا احمد مجلسی وغیرہ قابل ذکر ہیں جومختلف مدارس اور درسگاہوں میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں اور ملک وقوم کی تعمیر وترقی کیلئے کوشاں ہیں۔

آج علالت کے باوجود بھی طلبہ بلاتفریق مسلک کسب فیض کے لیےان کے پاس حاضر ہوتے ہیں اوران کے چشمہ علم سے سیراب ہوتے ہیں۔خداوندکریم انہیں طاقت وقوت عطا کرے تا کہ وہ طالب علموں کوزیادہ سے زیادہ علم کی دولت سے مالا مال کرسکیں۔

تالیف وتصنیف

ان کی چند غیر مطبوعہ کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔فلسفہ توحید ۲۔افادیت نماز ۳۔افادیت روزہ ۴۔تفسیر قرآن (چند سور قصار) ۵۔قرآن کی بلاغت

ان کتب کے علاوہ انہوں نے متعدد مضامین لکھے ہیں جو اردو کے مختلف رسالوں میں شایع ہو چکے ہیں۔

ازدواج واولاد: محلہ کیاری ٹولہ مئوناتھ بھنجن کے ابوالحسن مرحوم کی چھوٹی لڑکی شمیم زہرا سے شادی ہوئی جن سے پانچ اولادیں ہوئیں جن میں تین لڑکے ۱۔ڈاکٹر مولانا ذیشان حیدر ۲۔ماسٹر سلمان حیدر ۳۔مولوی فیضان حیدر، اور دولڑکیاں شامل ہیں[۱]۔

---

[۱]۔مولانا موصوف کے لڑکے جناب مولانا فیضان حیدر کے ذریعہ ۸/ ۱۰/ ۲۰۱۴ءکو لی گئی معلومات۔

مولانا خیرات الحسنین

مولانا خیرات الحسنین ابن غلام عباس مرحوم، ۱۹۵۴ء میں ایک ناخواندہ شیعہ مذہبی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ اپنے والدین کی اولادوں میں تیسرے نمبر پر ہیں، خانوادہ مذہبی تھا، خاص کر آپ کے والد بہت متدین تھے، اس لیے انھیں بہت تمنا تھی کہ ان کے لڑکے عالم دین بنیں، اس وقت بستی میں امامیہ مکتب بھی نہیں تھا جس میں اردو، دینیات اور قرآن کی تعلیم دی جاتی، مجبوراً ان کے والد نے انھیں محلہ پارا میں اہلسنت کے مدرسہ ''اشاعت العلوم'' میں داخل کر دیا، آج یہ مدرسہ اچھی خاصی ترقی کر گیا ہے۔ وہاں اپنی خداداد ذہنی صلاحیت کی بنا پر ہر درجے میں اپنے ہمدرسوں کے درمیان ممتاز رہے اور جلد ہی پرائمری کلاسوں کو پاس کر کے فارسی اور عربی کے درجات تک پہنچے اور کافیہ، وشرح تہذیب وغیرہ کتابیں پڑھ رہے تھے کہ ہم جماعتوں اور بعض اساتذہ کی جانب سے مسلکی تعصب کے شکار ہو کر پڑھائی ترک کر دی اور والدین سے ضد کی کہ بنارس یا لکھنؤ میں انھیں کسی شیعہ مدرسہ میں داخل کروائیں، لیکن ان کے والد نے غربت کیوجہ سے معذوری ظاہر کی، حسن اتفاق کہ چند مہینوں کے بعد ہی مولانا تفضّل مہدی مرحوم کے والد مرحوم انھیں داخلہ دلانے کی غرض سے جوادیہ عربی کالج بنارس لے جانے والے تھے۔ مولانا موصوف کو اطلاع ہوئی تو انھیں کے ساتھ یہ بھی چلے گئے۔ بالآخر وہاں درجہ مولوی دوم میں داخلہ ہوا، لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد رئیس جامعہ جوادیہ آیۃ اللہ ظفر الحسن طاب ثراہ نے صلاحیت دیکھ کر درجہ عالم اول میں ترقی دے دی۔

اس طرح موصوف نے تقریباً ساڑھے تین سال ہی کے عرصے میں فخر الافاضل تک کے تمام درجات طے کر کے وہاں سے فراغت حاصل کر لی۔ (چونکہ اس ساڑھے تین سالہ مدت میں، ایک شیعی درسگاہ میں تعلیمی مدت سے اگر تعطیلات علیحدہ کر دی جائے تو مدرسہ میں رہنے اور تجربات حاصل کرنے کا بہت کم وقت ملا تھا) لہٰذا کم عمری اور تدریسی و تبلیغی میدان میں کم تجربہ ہونے کے باعث کسی مدرسہ یا بستی میں تدریس اور پیش نمازی کرنے کا عزم کئے بغیر تحصیل علم کو جاری رکھنے کی غرض سے مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

جانے کا ارادہ کیا۔ مگر جب اس سلسلے میں اپنے استاد ومربی خاص ظفر الملت طاب ثراہ سے مشورہ لیا، تو سرکار طاب ثراہ نے فرمایا: مدرسۃ الواعظین میں داخلہ لینا آپ کے لئے فائدہ مند نہیں ہے، اگر ہو سکے تو نجف چلے جائیں، اس وقت صدام ملعون حکومت عراق کا صدر بن چکا تھا اور علماء وحوزات علمیہ پر قیامت ڈھا رکھی تھی، وہاں کے حالات بہت خراب تھے دوسرے ممالک کے جو علماء وطلبہ وہاں موجود تھے انھیں نکالا جا رہا تھا، اس لئے حالات بہتر ہونے کا انتظار کرتے رہے کہ اسی دوران فخر الواعظین مولانا زین العابدین نے جو اس وقت مدرسہ ''باب العلم'' مبارکپور ضلع اعظم گڑھ میں پرنسپل تھے، عارضی طور پر مدرسی کے لئے بلا لیا۔ تقریباً چھ ماہ وہاں رہے ہوں گے کہ مبارکپور سے تقریباً ملی ہوئی ایک بستی موضع املو میں تنظیم المکاتب سے ملحق ایک مکتب جو اس وقت کسی وجہ سے مدرس سے خالی تھا، وہاں کے ذمہ داران نے مولانا زین العابدین سے مدرس کے سلسلے میں رابطہ کیا، تو انھوں نے مولانا موصوف کی طرف ان کی رہنمائی کی۔ ان لوگوں نے مولانا خیرات الحسنین قبلہ سے درخواست کی تو آنجناب عراق کے حالات بہتر ہونے اور نجف جانے کا راستہ ہموار ہونے تک کی مدت کے لئے تعلیمی خدمت کی انجام دہی پر رضایت ظاہر کی اور تقریباً دو سال تک خدمت کی اسی اثنا میں وہیں شادی ہو گئی، شادی کے بعد وہاں خدمت کرنا مناسب نہیں سمجھا، دوسری طرف حوزۂ علمیہ نجف اشرف غیر ملکی طلاب کے لئے پوری طرح بند ہو گیا، لہٰذا ادھر سے نا امید ہونے کے ساتھ ساتھ خانگی ذمہ داری عائد ہو جانے کے سبب روزی روٹی کے مستقل ذریعہ کی فکر لاحق ہوئی۔ بہر حال چونکہ املو میں خدمت کرنے کی وجہ سے ادارۂ تنظیم سے وابستہ ہو ہی چکے تھے، اس لئے وہاں سے تبادلہ کی درخواست کی، جس کے نتیجے میں ادارے نے ایک دیہاتی علاقہ میں تبادلہ کر دیا، جگہ پسند نہ آنے اور حالات کی عدم سازگاری کی وجہ سے کچھ دن رہنے کے بعد تعطیل کلاں کے موقع پر تنظیم المکاتب میں دوبارہ تبادلہ کی درخواست دی اور گھر چلے آئے۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ اب وہاں نہیں جانا چاہتے۔ بعد از آں مدرسہ حسینیہ بڑا گاؤں گھوسی ضلع مئو میں صدر مدرس اور امام جمعہ و جماعت کی حیثیت سے منتخب ہوئے اور تقریباً سات سال تک خدمت کی۔ اسی دوران ایران میں امام خمینی رضوان اللہ علیہ کی قیادت میں اسلامی انقلاب رونما ہوا اور حوزۂ علمیہ قم میں بہار آ گئی۔ دنیا بھر سے طلاب علوم دینی قم مقدسہ پہنچنے لگے، ہندوستان سے بلکہ آپ کے

علاقے سے بھی بہت سے ہم سن، یا کم وبیش عمر والے افراد حوزۂ علمیہ قم پہنچے۔

اتفاق کی بات ہے کہ انہی ایام میں کسی غرض سے بنارس گئے ہوئے تھے تو مدرسہ ایمانیہ میں اساتذہ اور شناسا لوگوں سے ملنے چلے گئے۔ ملاقات کے دوران مولانا سید احمد حسن طاب ثراہ آل جواد العلماء نے بتایا کہ ایران سے علماء کا ایک وفد اختبار کے لئے یہاں آنے والا ہے جس میں آپ کی شرکت ضروری ہے اور بحیثیت استاد کے دباؤ ڈال کر امتحان میں بٹھا دیا۔ جب امتحان کا نتیجہ آیا تو قبول شدگان میں آپ کا نام سر فہرست تھا۔

اس طرح حوزۂ علمیہ قم پہنچے، مولانا موصوف کو قم مقدسہ کی سرزمین تک پہنچانے میں جو حوصلہ افزائی اور ممکن مدد ہو سکتی تھی اگر کسی ہستی نے کی ہے تو وہ آل جواد العلماء تھے، کیونکہ مولانا موصوف امتحان میں اعلیٰ قبولیت پانے کے بعد بھی اس وقت عیال کے بار کفالت کی وجہ سے بیرون ملک جانے کو تیار نہ تھے۔ قم کے پہلے سفر میں مدرسہ حجتیہ میں قیام کیا، آزاد درس میں شرکت فرماتے، چند ہی سالوں میں حوزہ علمیہ قم کے رتبہ دوم وسوم کا امتحان دے کر درس خارج میں پہنچے، اس بیچ موسسہ ''در راہ حق'' میں داخلہ لیا جو آیۃ اللہ مصباح یزدی کی زیر سرپرستی دیگر دینی خدمات کے ساتھ فلسفہ، اقتصاد و دیگر اصناف علوم کی تدریس کی بھی خدمت انجام دیتا تھا۔ حوزوی تعلیم کے ساتھ ساتھ تین سال وہاں کا کورس کرنے میں مشغول رہے، مگر افسوس کہ چوتھے سال کا نصاب شروع ہوا تھا کہ سازمان مدارس سے بحیثیت مدرس مدرسہ ایمانیہ بنارس بھیجے جانے کی وجہ سے مذکورہ پنج سالہ کورس مکمل نہ کر سکے۔ اعزام کی مدت تمام ہونے کے بعد ایران لوٹے تو دوبارہ چند ماہ بعد اعزامی مدرس کی حیثیت سے بھیج دیئے گئے۔ بعد ازآں دیگر مشکلات کی وجہ سے قم نہ جا سکے اور کئی برس اعزام کی تمدید ہوتی گئی۔ لہٰذا مدرسہ ایمانیہ کے بعد مدرسہ باب العلم مبارکپور، جامعہ حیدریہ خیرآباد، جامع العلوم جوادیہ بنارس میں اعزامی مدرس کی حیثیت سے خدمت کی اور بہت سے ایسے شاگردوں کی تربیت کی کہ جن کا شمار افاضل میں ہوتا ہے اور وہ اس وقت ہندوستان کے اہم مدارس جیسے جامعہ جوادیہ بنارس، جامعہ ایمانیہ بنارس، لکھنؤ اور دیگر مقامات پر امور تدریس و تبلیغ میں مشغول ہیں۔ تا بہ حال تقریباً سولہ سال سے

مدرسہ جعفریہ کوپا گنج ضلع مئو میں صدر مدرس کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے ہیں اور آپ کی زیر تربیت اس مدرسہ سے تعلیم حاصل کرنے والے طلاب بھی ہندوستان کے دیگر مدارس، نیز قم مقدسہ، نجف اشرف اور دمشق میں مشغول تحصیل ہیں اور بہت سے فارغ التحصیل ہوکر دین وملت کی خدمت کررہے ہیں۔

چندہ اساتذہ

مدرسہ اشاعت العلوم کے اساتذہ میں مولانا عبدالرؤف اور مولانا شکر اللہ جامعہ جوادیہ کے اساتذہ میں مولانا سید ظفر الحسن، مولانا ملا محمد طاہر، مولانا شمیم الحسن اور مولانا احمد حسن طاب ثراہ ہیں۔ایران میں آقائے مصطفی اعتمادی، آقائے صالحی افغانی، آیۃ اللہ علوی، آیۃ اللہ فاضل لنکرانی، آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی وغیرہم کے دروس میں شرکت کی ہے[1]۔

مولانا اختر حسنین

مولانا اختر حسنین ابن غلام عباس مرحوم، پورہ معروف میں ولادت ہوئی اور ابتدائی تعلیم مدرسہ اشاعت العلوم محلہ پارہ پر حاصل کی وہاں سے عربی، فارسی، نحو اور منطق پڑھنے کے بعد جامعہ جوادیہ بنارس میں داخلہ لیا اور وہاں فخر الافاضل کی ڈگری کے ساتھ فراغت حاصل کی۔آپ نے اپنے وقت کے جید اور فاضل علمائے کرام مولانا سید ظفر الحسن، مولانا سید احمد حسن، مولانا سید شمیم الحسن وغیرہ سے کسب فیض کیا اور فراغت کے بعد کچھ سال مدرسہ ایمانیہ بنارس میں تدریس کی اور پھر جگو یدوی تمل ناڈو میں امام جمعہ و جماعت کے فرائض انجام دینے چلے گئے جہاں آج تک تبلیغ دین میں مصروف ہیں[2]۔

۱۔مولانا موصوف کے بیٹے مولانا محمد معظم سے ۱۵ مارچ ۲۰۱۵ء کو لی گئی معلومات

۲۔مولانا موصوف کے بڑے بھائی مولانا خیرات الحسنین سے لی گئی معلومات، ۲۷/۱۰/۲۰۱۵ء

مولانا مظفر محسن

مولانا مظفر محسن ابن منظور حسین مرحوم، ۵ شعبان المعظم ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۵ / اگست ۱۹۵۷ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ اشاعت العلوم میں حاصل کی جہاں آپ نے ماسٹر مقبول احمد اور منشی جی سے پڑھا اور چونکہ ۱۹۶۸ء میں مدرسہ امامیہ کا قیام عمل آیا تو آپ نے وہاں پر داخلہ لے لیا اور درجہ سوم سے پنجم تک کی تعلیم حاصل کی جہاں مولانا غلام رسول مرحوم، مولوی سید زوار حسین میر پوری کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا اور پھر مدرسہ باب العلم مبارکپور میں داخلہ لیا جہاں درجہ پنجم میں ماسٹر عبدالقیوم سے ہندی، حساب، جغرافیہ پڑھا اور مولوی عبدالحمید شاہ سے فارسی کی کتاب پڑھی اور درجہ ششم وہفتم میں دوسال تک مولانا زین العابدین کو پا گنجی سے نحو، صرف، منطق وغیرہ پڑھا۔ غالباً ۱۹۷۵ء تک آپ وہاں پر زیر تعلیم رہے اور جب اسی سال مولانا زین العابدین نے پرنسپل کے عہدے سے استعفیٰ دیکر کوپا گنج چلے گئے اور اپنے ہی گھر میں ایک مدرسہ قائم کرلیا تو اسی سال آپ بھی مدرسہ چھوڑ کر کوپا گنج چلے گئے اور تقریباً دوسال تک مولانا زین العابدین کے گھر ہی میں تعلیم حاصل کرتے رہے اور اسی دوران الہ آباد بورڈ کے منشی اور مولوی کے امتحانات بھی پاس کیے۔

اس کے بعد آپ کا تعلیمی سلسلہ کچھ مجبوریوں کے تحت منقطع ہوگیا اور آپ گھر کے کاروبار میں مصروف ہوگئے اور پھر شادی ہوجانے سے اہل وعیال کی ذمہ داری نے مزید تعلیم کا موقع نہ دیا لیکن ان تمام مصروفیات کے باوجود بھی آپ کے ذوق علمی اور شوق مطالعہ نے آپ کو آگے بڑھنے سے نہیں روکا اور مدرسہ امامیہ میں درس وتدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ اسی دوران تنظیم المکاتب لکھنؤ کی طرف سے مدرسین کی ٹریننگ کا خط موصوف کو موصول ہوا تو آپ غالباً ۱۹۷۹ء میں مولانا غلام عسکری ہال، بارہ بنکی میں ایک مہینہ کی ٹریننگ پر چلے گئے جہاں سے کامیابی کے بعد تنظیم المکاتب ہی کی طرف سے شہر بنارس کے نزدیک موضع چندایت میں بحیثیت مدرس وامام جماعت تقریباً دوسال تک خدمات انجام دیئے اور پھر ۱۵ سال تک غازیپور، ولید پور، شاہ دیویت اعظم گڑھ، بڑاگاوں گھوسی، کوپا گنج وغیرہ جیسے مختلف علاقوں میں تبلیغ وتدریس کا سلسلہ چلتا رہا اور دوسال تک موضع راجورانا گپور میں خدمات انجام دیتے رہے اور وہاں کے بعد آپ نے

گجرات کا سفر کیا جہاں تقریباً بارہ سال سے قوم وملت خدمت اور علوم آل محمد کی تبلیغ کا سلسلہ جاری وساری ہے۔ اس وقت دوسال سے حوزہ علمیہ امام خمینی، احمد آباد گجرات میں بحیثیت استاد وامام جماعت اور دینی فرائض انجام دے رہے ہیں[1]۔

مولانا محمد حسن معروفی

یہ آپ کا نام بھی ہے اور یہی آپ کی داستان، تاریخ، اور اب تک کی زندگی کا آئینہ بھی ہے۔ پورہ معروف کے محلہ بلوہ کے ایک مذہبی گھرانے میں مارچ ۱۹۵۸ء میں آپ کی پیدائش ہوئی اور آپ کے والدین نے ''محمد'' نام رکھا۔ جب پڑھنے کی عمر ہوئی تو والدین نے آپ کے گھر سے متصل اہلسنت حضرات کا واحد قدیم دینی مدرسہ ''مدرسہ معروفیہ'' میں بھیجا، آپ سے پہلے آپ کے دو بڑے بھائی مولانا محمد مظہر حسین اور مظاہر حیدر مرحوم بھی زیر تعلیم رہے تھے۔

مدرسہ معروفیہ کے رجسٹر میں آپ کے والدین کا رکھا ہوا نام ''محمد'' درج ہوا اور اب آپ ''محمد'' سے جانے، پہچانے جانے لگے، اسی مدرسہ سے درجہ پنجم پاس کیا اور آگے پڑھنے کے لیے کہیں اور نہ جا کر اسی مدرسہ کے عربی وفارسی کلاس میں نام لکھوالیا، فارسی میں آمدنامہ، گلزار دبستان، گلستان و بوستان سعدی اور عربی قواعد میں نحومیر، صرف میر، ہدایۃ النحو اور سنی فقہ میں ''مالا بدمنہ'' وغیرہ کا درس لیا۔ مدرسہ معروفیہ میں آپ کے بعض اساتذہ کے نام ہیں: ماسٹر صغیر احمد، مولانا محمد عثمان معروفی، مولانا شبیر احمد اور مولانا محمد مجتبیٰ وغیرہ۔

مدرسہ معروفیہ کچھ مقامی وانتظامی مسائل واختلافات کی وجہ سے کچھ عرصہ کے لیے بند ہو گیا تھا تو اس دوران آپ کے اکثر ہمکلاسی محلہ پارہ کے مدرسہ ''اشاعت العلوم'' چلے گئے، آپ نے بھی اپنا سال برباد

---

[1]۔ مولانا موصوف سے لی گئی معلومات ۲۲ دسمبر ۲۰۱۵ء

نہیں کیااوراشاعت العلوم چلے گئےلیکن اس مدرسہ میں جانے کے بعدآپ نے اپنے نام کے ساتھ ''حسن'' کا اضافہ کیااوراب رجسٹر میں ''محمدحسن'' ہوگئے مگراہل وطن آپ کوآج بھی ''محمد'' کہتے اور پکارتے ہیں، صرف سن وسال میں چھوٹے احتراما ''مولوی محمد'' کہتے ہیں۔

مدرسہ اشاعت العلوم میں ایک ڈیڑھ سال ہی رہے، اس کے بعدآپ کے بڑے بھائی مولانامظہر حسین آپ کولکھنؤ لیکر چلے گئے۔ ۱۹۷۲ء میں سلطان المدارس جامعہ سلطانیہ کے دارالاقامہ میں جگہ ملی اور آپ وہاں کے باقاعدہ طالب علم ہوگئے۔ سلطان المدارس، الہ آباد سے الحاق شدہ مدرسہ ہے اس لیے آپ نے الہ آباد بورڈ سے مولوی، عالم، فاضل، منشی، کامل کی اسناد حاصل کیں اور جامعہ سلطانیہ سے سندالافاضل اورصدرالافاضل کی اسنادلیں۔ آپ نے ۱۹۷۹ء میں صدرالافاضل کیا، ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۹ء کے دوران لکھنؤیونیورسٹی میں شعبہ علوم مشرقیات سے دبیراوردبیر ماہر کیا۔ دبیر ماہر کی سند کی بنیاد پر بی، اے میں داخلہ مل گیا شیعہ ڈگری کالج سے بی، اے کیااورلکھنؤیونیورسٹی سے اردو میں ایم، اے بھی کرلیا۔ اسی طرح جامعہ اردوعلی گڑھ سے ادیب، ادیب کامل کیااورشیعہ عربی کالج سے ''عمادالادب'' کیا۔ ان تمام درسگاہوں میں آپ کا نام ''محمدحسن'' رہااورسبھی احباب اوراساتذہ آپ کومحمدحسن پکارتے تھےاوراس طرح وطن سے باہر محمدحسن سے مشہورہوئے۔

سلطان المدارس میں آپ کے قابل ذکراساتذہ: مولاناسیدعلی حسین مرحوم، مولاناسیدالطاف حسین مرحوم، مولاناسیدعلی مرحوم، مولاناغلام مرتضی مرحوم، مولاناسیدمحمدصالح مرحوم، مولاناسیدمحمدجعفرمرحوم، مولانا سیدمحمدمہدی مرحوم۔ اسی طرح شیعہ عربی کالج کے قابل ذکراساتذہ میں مولاناسعادت حسین مرحوم اورمولانا سیدمحمدصادق مرحوم اورشیعہ کالج اوریونیورسٹی کے قابل ذکراساتذہ میں مولانامرزامحمداطہر، مولاناڈاکٹرشبیہ الحسن نونہروی، پروفیسرملک زادہ منظوراحمداورالگ سے جن علماء سے درس لیاہےان میں مولانامرزامحمدعالم مرحوم اورمولاناسیدحسن نقوی مرحوم ہیں۔

۱۹۷۹ء میں صدرالافاضل کرلینے کے بعدمولانامرزامحمدعالم نے آپ کے سرپردست شفقت رکھا اورجامعۃ التبلیغ میں مدرس رکھ لیامگرآپ نے ایران جاکرمزیدتعلیم حاصل کرنے کاارادہ کیاتھااور ۱۹۸۲ء

میں ایران پہنچ گئے۔ایران میں نام کے ساتھ فیملی نام کی ضرورت ہوتی تھی تو آپ نے فیملی نام کی جگہ ''معروفی'' لکھا اس طرح آپ کا فیملی نام ''معروفی'' ہوگیا۔ایران میں عمومی طور پر فیملی نام ہی لیا جاتا ہے اور پکارا جاتا ہے اس طرح آپ کے سارے ہمکلاس، آشنا اور اساتذہ معروفی پکارنے لگے اور دھیرے دھیرے آپ کا نام محمد حسن پس پشت چلا گیا اور معروفی نام کی جگہ لینے لگا۔

۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۹ء تک حوزہ علمیہ قم میں زیر تعلیم رہے، اس دوران اپنے ہندوستانی ہمدرس دوستوں کے ذریعہ مولانا سید غلام عسکری مرحوم سے قربت ہوئی اور مولانا مرحوم نے آپ کو تنظیم المکاتب سے منسلک کرلیا۔ایران سے واپسی پر باقاعدہ طور پر جامعہ امامیہ تنظیم المکاتب میں تدریس کے فرائض انجام دینے لگے اور تنظیم کی تمام اہم کانفرنسوں اوران سے مربوط دوروں میں شریک رہتے تھے اوراس کے علاوہ مجلسوں کی مصروفیت بھی زیادہ ہوگئی تھی اور حالات نے مجبور کیا جس کی بناء پر لکھنؤ میں گھر لیکر لکھنؤ ہی کو مستقل طور پر اپنا وطن بنالیا۔اس طرح لکھنؤ اور اطراف کے دوسرے شہروں میں مجلسوں کا سلسلہ بڑھتا رہا اور آپ کا نام لکھنے اور بولنے، پکارنے میں چھوٹا ہوکر محمد حسن کے بجائے صرف معروفی ہوگیا۔

آپ کے استاد مولانا سید حسن نقوی مرحوم نے ۱۹۹۲ء میں کسی کے ذریعہ کہلوایا کہ کیا عشرہ محرم کے لیے لندن جاسکتے ہو؟ آپ شام کو ان کے گھر گئے اور سلام کے بعد صرف دو باتیں کہیں سرکار اگر میرے جانے سے آپ کی عزت پر حرف نہ آئے اور دوسرے مرحلہ میں میری عزت بھی رہ جائے تو ضرور چلا جاونگا۔ انہوں نے فوراً جواب دیا کہ پھر تیاری کرلو اور واقعاً ایک ہفتہ بعد آپ کے نام، لندن کے مشہور و معروف ادارہ ''محمدی ٹرسٹ'' سے دعوت نامہ آگیا اور آپ نے ۱۹۹۲ء میں لندن کا عشرہ محرم پڑھا اور الحمدللہ لوگوں نے پسند کیا جس کے نتیجہ میں چارسال تک مسلسل عشرہ کے لیے لندن جاتے رہے۔اسی دوران لندن میں موجود ''حسینی اسلامک مشن'' کے صدر مسعود رضوی مرحوم سے ملے اور انہوں نے مستقل طور پر جانے کی دعوت دی، آپ دوسال تک ٹالتا رہے جب اصرار بڑھا تو علامہ ذیشان حیدر جوادی مرحوم سے استخارہ کرایا انہوں نے قرآن سے تفاول کیا اور فرمایا کہ بہت بہتر ہے بسم اللہ کیجیے اور اس طرح آپ نے لندن مستقل جانے کی دعوت کو قبول کرلیا اور اپنی فیملی کے ساتھ دسمبر ۱۹۹۵ء میں لندن چلے گئے اور وہیں سے دنیا کے

بیشتر ممالک میں مجلسوں کے لیے جاتے رہتے ہیں اور ہر جگہ معروفی کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔

آپ کی خدمات میں اصل خدمت تدریس ہے اگر چہ اس کی مدت صرف نو دس برس پر ہی محیط ہے لیکن اس عرصے میں بہت سارے اچھے طلبہ سامنے آئے اور وہ آج مصروف خدمت دین ہیں جن پر آپ کو ناز ہے اور وہ بھی یاد رکھتے ہیں۔ دوسری خدمت آپ کی منبر کے ذریعہ ہے جو دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہے اور منبر ہی سے آپ کی پہچان ہے اور تحریری خدمات میں بہت سارے مقالات ہیں جن کو یکجا جمع کرنے کی ضرورت ہے اگر جمع ہو جائے تو یقینا ایک کتاب ہے۔ ادھر حال ہی اپنے استاد جناب شیخ علی عالمی جو اب لندن ہی میں مقیم ہیں، ان کی ایک کتاب ''خانوادہ در پرتو قرآن واحادیث'' کا ترجمہ کیا ہے جو چھپ کر سامنے آچکی ہے اور اب تعمیری خدمت کا ارادہ کیا ہے۔ یہ ہے آپ کی داستان اور اب تک کی زندگی کا خلاصہ کہ پیدا ہوئے تو ''محمد'' اور تعلیمی اسناد میں ''محمد حسن'' اور قوم میں ''معروفی'' ہیں[۱]۔

انگلستان جانے کے بعد ہی سے ''مجلس علماء یورپ'' نام کی ایک کمیٹی میں بھی شمولیت اختیار کی اور اس کمیٹی میں دو سال تک صدر رہے اور پھر اس کے بعد سے اکثر حالات میں نائب صدر کے عہدے پر آج تک کام کر رہے ہیں[۲]۔ انگلستان کی مصروفیت کے علاوہ ایران میں جلد ہی تاسیس کیے گئے ایک دینی اور علمی ادارے ''مرکز معارف اسلامی ہند'' کے سرپرست ہیں۔

آپ کا شمار ہندوستان کے مشہور و معروف عالموں اور خطیبوں میں ہوتا ہے اور اس خطابت کے سلسلے میں آپ نے ہندوستان اور انگلستان کے علاوہ امریکہ، اسٹریلیا، جاپان، ناروے اور دیگر مغربی ممالک کا سفر کیا ہے۔ لندن سے نکلنے والا الثقلین نامی اردو کے سہ ماہی رسالہ کے ہیئت تحریریہ میں ہیں۔ جامعۃ الزہراء سے نکلنے والے اردو مجلہ ماہنامہ عصمت کے سرپرست۔ کئی سالوں تک تنظیم المکاتب اور جامعۃ الزہراء کے ممبر بھی رہے ہیں۔ آپ بڑے ہی منکسر المزاج اور با اخلاق اور خوددار صفات کے مالک ہی۔ آپ کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔

۱۔ مولانا موصوف نے ۲۰ دسمبر ۲۰۱۵ء کو تحریر صورت میں ارسال کیا تھا جسے راقم الحروف نے تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ لکھا ہے۔

۲۔ ماہنامہ المجلس، لندن، مولانا بخاری کا جناب محمد حسن معروفی سے ایک انٹرویو، شمارہ ۷۹، فروری ۲۰۱۴ء

تالیف وترجمہ

ا۔مثالی گھرانہ،مولف حجت الاسلام عالمی،(اردو)،ناشر موسسہ علامہ عدیل اختر مرحوم،سرفراز گنج، لکھنؤ۔

۲۔ حجۃ الاسلام شیخ عالمی صاحب کی متعدد موضوعات پر موجود دیگر کئی کتابوں کے ترجمہ کا ارادہ رکھتے ہیں جن میں سے بعض کتابوں کا ترجمہ جاری ہے اور جلد ہی منظر عام پر آئیں گی۔

مضامین

مولانا موصوف نے یوں توسینکڑوں مذہبی و دینی مضامین لکھے ہیں لیکن سبھی مضامین ہماری دسترس میں نہیں تھے لہذا جتنے مضامین دسترس میں تھے ان کے عناوین درج ذیل ہیں۔

ا۔**دیباچہ داستان کربلا:** ماہنامہ الواعظ، ماہ دسمبر ۱۹۷۶ء وجنوری ۱۹۷۷ء مطابق ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ ومحرم ۱۳۹۷ھ،جلد ۵۳ و ۵۴

۲۔**آخری امام پردہ غیب میں کیوں؟:** ماہنامہ الواعظ، ماہ اگست وستمبر ۱۹۷۶ء مطابق شعبان و رمضان ۱۳۹۶ھ،جلد ۵۳

۳۔**انقلاب محرم، کتاب کربلا:** تنظیم المکاتب لکھنؤ، ماہ اگست ۱۹۸۹ء مطابق محرم ۱۴۱۰ھ

۴۔**خطیب اعظم شمع تنظیم:** خطیب اعظم نمبر، تنظیم المکاتب، اپریل ۱۹۸۶ء مطابق رجب ۱۴۰۶ھ

۵۔**سیرت زہرا، زینت حیات:** سہ ماہی رسالہ صدائے ثقلین، لندن، ماہ اپریل تا جون ۲۰۱۴ء

۶۔**نزول قرآن کا مقصد:** اودھنامہ اخبار، ۳/جنوری ۲۰۱۵ء صفحہ ۸

مولانا دلبر حسنین

مولانا دلبر حسنین ابن ابوالحسن مرحوم، ۲۵/ جولائی ۱۹۵۹ء کو محلہ پرانا پورہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ۱۹۶۵ء تا ۱۹۶۹ء تک درجہ اول سے درجہ پنجم تک مدرسہ اشاعت العلوم میں حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ باب العلم مبارکپور میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۹ء سے لیکر ۱۹۷۵ء تک وہاں زیر تعلیم رہے اور اس تعلیمی سفر میں ہی مبارکپور انٹر کالج سے ۱۹۷۳ء میں ادیب کا امتحان دیا اور ۱۹۷۴ء میں منشی اور ۱۹۷۵ء میں مولوی الہ آباد بورڈ کے امتحانات میں کامیابی حاصل کی۔

۱۹۷۵ء میں اپنی تعلیم کو جاری رکھنے کے لئے لکھنؤ کے مشہور مدرسہ ناظمیہ میں داخلہ لیا جہاں ۱۹۸۱ء تک زیر تعلیم رہے۔ لکھنؤ میں رہکر آپ نے یوپی بورڈ کے عالم ۱۹۷۶ء، فاضل فقہ و فاضل طب کے امتحانات میں بھی کامیابی پائی، لیکن کسی مجبوری کے تحت آپ مدرسہ ناظمیہ کے آخری کلاس کے امتحان میں شرکت نہ کر سکے اور بعد میں تبلیغی مصروفیات نے بھی موقع نہیں دیا کہ ممتاز الافاضل کا امتحان دے سکیں۔ مولانا موصوف نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں دینی و مذہبی خدمات انجام دی ہیں اور آج بھی انہیں کاموں میں مصروف عمل ہیں، آپ ایک اچھے خطیب و مقرر بھی ہیں۔ ان کے خدمات کو ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے۔

۱۹۸۰ء میں چار ماہ حسین آباد، کامٹی، میں بحیثیت امام جماعت اور مدرس خدمت کی اور ۱۹۸۱ء تا ۱۹۸۳ء خیر آباد، امہٹ، تراب خانی سلطان پور میں امام جماعت اور تدریس کے فرائض انجام دیئے ہیں اور ۱۹۸۳ء کے اواخر سے لیکر ۱۹۸۵ء تک جامعہ ناصریہ جونپور میں درس و تدریس کا سلسلہ رہا اور ۱۹۸۵ء کے آخری تین ماہ میں بڑاگاوں گھوسی کے مدرسہ حسینیہ میں مدرس اور پرنسپل تھے اور ساتھ ہی ساتھ امام جماعت کے فرائض بھی انجام دے رہے تھے۔ پھر مدرسہ باب العلم میں ایک سال تدریس کی اور وہیں کے ایک محلہ بکھری میں امام جماعت تھے۔ ۱۹۸۷ء میں مدرسہ جعفریہ کوپا گنج میں مدرس رہے اور اسی سال ۱۹۸۷ء سے لیکر ۱۹۹۱ء تک اپنی بستی پورہ معروف کے مکتب امامیہ میں بحیثیت مدرس مقرر ہو گئے اور جامع

مسجد میں امامت کے فرائض انجام دیئے۔ ۱۹۹۱ء تا ۲۰۰۲ء ایم۔پی۔صوبہ کے موضع اندور چلے گئے جہاں آپ نے دینی مدرسہ میں تدریس کی اور وہاں امام جماعت کے امور کو انجام دیا اس کے بعد ۲۰۰۲ء سے لیکر ۲۰۱۱ء تک اسی صوبہ کے موضع سارنگپور میں دینی خدمات انجام دیں اور ۲۰۱۱ء سے لیکر پھر اسی صوبہ کے ایک موضع اجین میں دینی امور کی انجام دہی میں آج تک مصروف ہیں[۱]۔

مولانا مظفر نقی

مولانا مظفر نقی ابن جناب ضمانت مہدی مرحوم اپنے وطن کے محلہ حسین آباد میں ۱۵ / مارچ ۱۹۶۰ء کو ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم اپنی بستی کے اہل سنت حضرات کے ایک مدرسہ اشاعت العلوم میں پانچویں درجہ تک حاصل کی اور اس کے بعد آپ کے والد نے ۱۹۷۵ء مبارکپور مدرسہ باب العلم میں آپ کا داخلہ کروایا جہاں آپ نے ۱۹۸۱ء تک تعلیم حاصل کی اس کے بعد مدرسہ سلطان المدارس و جامعہ سلطانیہ لکھنؤ میں داخلہ لیا۔ اسی مدرسہ میں تعلیم کے دوران ۱۹۸۴ء کے قریب ایران تشریف لے گئے جہاں آج تک اپنے اہل و عیال کے ساتھ مقیم ہیں۔

آپ نے اپنے پورے تعلیمی دورے میں مولانا علی ارشاد مبارکپوری مرحوم، مولانا سلمان احمد مرحوم، مولانا سید علی رضوی مرحوم، مولانا سید محمد جعفر رضوی مرحوم، مولانا غلام مرتضی، مولانا بیدار حسین، مولانا قادری، مولانا حسینی بوشہری، مولانا زین العابدینی، آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی، مولانا رحمانی سے کسب فیض کیا ہے۔ ایران میں رہتے ہوئے بارہا تبلیغی اور تدریسی سفر پر ہندوستان آئے ہیں جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ ۱۹۸۸ء میں مظفر نگر کے ایک علاقہ میں ایک سال تک امام جماعت اور تدریس کے فرائض

---

[۱]۔ مولانا موصوف سے ایمیل کے ذریعہ لی گئی معلومات۔ ماہ جولائی ۲۰۱۴ء

انجام دیئے اور ۱۹۹۰ء میں سیتھل کے مشہور شیعہ مدرسہ ''مدرسہ مہدیہ'' میں دوسال تک درس وتدریس کے فرائض انجام دیئے۔ اورآجکل دوسالوں سے میرٹھ میں دینی اور مذہبی امور کی انجام دہی میں مشغول ہیں[1]۔

آپ نہایت با اخلاق، خوددار اور نیک سیرت صفات کے حامل ہیں، کسی بھی مذہبی و دینی امور کی انجام دہی سے کبھی پیچھے نہیں ہٹتے بلکہ ہمیشہ حتی المقدور انجام دینے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، ایران میں جہاں آپ کی پڑھائی کا سلسلہ جاری تھا وہیں موقع ملتے ہی وہاں پر موجود ہندوستانی بچوں کو حرم معصومہ قم میں درس دیا کرتے ہیں، آپ کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ اسی طرح آپ نے تفسیر قرآن پر بہت ہی محکم کام کیا ہے جس کے سلسلے سے ایران سے شایع ہونے والے سحر اردو چینل کی مذہبی نشریات میں قسط وار تفسیر قرآن کے پروگرام کیے ہیں۔

تالیفات: آپ نے معلومات عمومی کے موضوع پر فارسی کی ایک کتاب کا اردو میں ترجمہ پر جو موسسہ منہاج سے شائع ہوکر مقبول عام ہوچکی ہے۔ ایران میں آپ کی تھیسس کا موضوع ''بررسی مستی بہ عنوان عامل رافع مسئولیت درحقوق ایران وہندوستان'' تھا جسے بڑی محنت وکاوش سے تدوین کیا ہے۔

اولاد: آپ کی شادی مبارکپور میں حاجی ذکی مرحوم کی صاحبزادی سے ہوئی ہے جن سے چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔

مولانا ڈاکٹر خورشید انور

ڈاکٹر خورشید انور ابن ناصر رضی مرحوم، ۱۹ مئی ۱۹۶۰ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ اشاعت العلوم میں حاصل کرنے بعد مدرسہ باب العلم مبارکپور میں داخلہ لیا اور وہاں سے منشی، مولوی الہ آباد بورڈ کا امتحان دینے کے بعد ۱۹۷۵ء سے لیکر ۱۹۸۲ء تک مدرسہ سلطان المدارس و جامعہ سلطانیہ لکھنؤ میں تعلیم حاصل کرتے رہے اور اس وقت کے جید علمائے کرام مولانا سید علی رضوی مرحوم، مولانا غلام مرتضی

[1]۔ مولانا سے انہیں کے مکان قم میں لیا گیا انٹرویو ۲۸/ستمبر ۲۰۱۳ء

مرحوم، مولانا سید محمد جعفر رضوی، مولانا سید محمد صالح رضوی مرحوم، مولانا سید حسن وغیرہ سے کسب علم کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ الہ آباد کے عالم، فاضل فقہ، کے امتحانات بھی پاس کرتے رہے ہیں اور شیعہ عربی کالج سے عماد الادب، بی۔اے اور لکھنؤ یونیورسٹی سے ادیب ماہر، ادیب کامل، اور ۱۹۸۰ء میں فارسی ادب میں ایم۔اے کیا ہے اور مولانا سعادت حسین مرحوم، مولانا صادق حسن، مولانا مرزا محمد اطہر، ڈاکٹر ولی الحق انصاری جیسے اساتذہ سے کسب فیض کیا ہے۔

۱۹۸۲ء میں سلطانیہ سے فراغت کے بعد آپ نے ماہ رمضان المبارک میں رستم پورہ گجرات، آتو جی کی مسجد لکھنؤ میں امام جماعت کے فرائض انجام دیئے اور اسی طرح عشرہ مجالس کے سلسلہ سے ہندوستان کے مختلف جگہوں کا سفر کیا ہے جن میں نگرم وجے واڑہ اور ضلع فتحپور بھیرا سادات کا نام قابل ذکر ہے اور آج بھی موقع بہ موقع مجالس کو خطاب کرتے رہتے ہیں۔ آپ نے فراغت کے بعد اسٹیٹ تکمیل الطب کالج لکھنؤ، کانپور یونیورسٹی کانپور سے DUMS کیا اور پھر ۱۹۸۵ء میں میڈیکل لائن میں آپ کی سرکاری تقرری ہوئی اور رام چندر جی کی چوکڑی راجستھان میں مدرس کی حیثیت سے مقرر ہو گئے۔ تقریبا ایک سال کے بعد ۲۱/ فروری ۱۹۸۶ کو اوگاسی ضلع باندہ میں میڈیکل آفیسر کی حیثیت سے تقرری ہوئی، پھر اسی عہدہ پر باقی رہتے ہوئے آپ کا ٹرانسفر چکیسر پٹی راجکیہ یونانی اسپتال ضلع جونپور، مبارکپور راجکیہ اسٹیٹ یونانی ہاسپیٹل کلاں پور ضلع جونپور، اسٹیٹ یونانی ہاسپیٹل مہیند ضلع غازیپور، یونانی اسپتال جلال آباد ضلع غازیپور اور راجکیہ یونانی اسپتال مبارکپور اعظم گڑھ جیسے علاقوں میں میڈیکل آفیسر کی حیثیت سے ہوتا رہا ہے۔ اور ۲۰۱۲ء سے مجھ گواں ضلع اناو میں بطور میڈیکل آفیسر سرکاری ملازم ہیں۔ آپ کی شادی مقبول حسین مرحوم کی بیٹی سے ہوئی جن سے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں لیکن پہلا فرزند ولادت کے بعد ہی فوت ہو گیا تھا[۱]۔

۱۔ موصوف سے ۲۲ جنوری ۲۰۱۶ء کو لی گئی معلومات

مولانا محمد نقی

مولانا محمد نقی ابن جناب غلام علی مرحوم ۱۹۶۱ء کو ماہ اگست میں پیدا ہوئے۔آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ میں حاصل کی اس کے بعد محلہ پارہ کے مدرسہ اشاعت العلوم میں داخلہ لیا جہاں تین سال تک تعلیمی سلسلہ چلتا رہا۔پھر ۱۹۷۷ء میں مدرسہ باب العلم مبارکپور میں داخلہ لیااور وہیں رہکر مولوی (۱۹۷۹ء)، عالم (۱۹۸۱ء) اور فاضل فقہ (۱۹۸۳ء) کی ڈگری بھی حاصل کی۔تعلیم کے دوران آپ کے گھریلو حالات بے حد نامساعد تھے جس کی وجہ سے گھر کی ساری ذمہ داری انہیں کے کندھوں پر آئی تو آپ تبلیغی وتدریسی کاموں کی انجام دہی میں مصروف ہو گئے لہذا تقریبا بارہ سال تک تامل ناڈو اور صوبہ گجرات کے مختلف شہروں اور قریوں میں دینی خدمات انجام دیتے رہے۔

۱۹۹۴ء میں دوسالہ تبلیغی دورے پر آپ نے مڈاگاسکر کا سفر کیا اور وہاں سے واپسی کے بعد ۱۹۹۶ء سے لیکر ۱۹۹۹ء تک مدرسہ باب العلم مبارکپور میں بحیثیت معلم شعبہ اردو، فارسی وعربی میں تدریسی خدمت انجام دی اور ۲۰۰۰ء میں دوبارہ مڈاگاسکر کا سفر کیا جہاں ۲۰۰۳ء تک قیام کیا اور وہاں سے واپسی کے بعد سے لیکر اب تک ہندوستان کے مختلف علاقوں میں دینی خدمات کی انجام دہی میں مصروف ہیں جن میں تقریبا دس سال جے پور، اڑیسہ اور جنوری ۲۰۱۴ء سے اب تک امبیکاپور، چھتیس گڑھ میں تبلیغی خدمات انجام دینے میں مصروف ہیں[۱]۔

---

[۱]۔مولانا موصوف نے ۸/ ۸/ ۲۰۱۴ء کو یہ معلومات خود تحریری صورت میں دی تھیں۔

مولانا منظر حسین صدرالافاضل

مولانا منظر حسین ابن غلام حسین مرحوم، کی ولادت ۹ / اکتوبر ۱۹۶۰ء میں محلہ بلوہ کے ایک مذہبی گھرانے میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم محلہ بلوہ پر واقع مدرسہ معروفیہ میں حاصل کی اور ۱۹۷۱ء دینی تعلیم کو آگے جاری رکھنے کے لئے مدرسہ باب العلم مبارکپور کے درجہ ششم میں داخلہ لیا جہاں آپ نے فروری ۱۹۷۴ء میں الہ آباد بورڈ سے مولوی کا امتحان پاس کیا اس کے بعد مدرسہ سلطان المدارس لکھنؤ، درجہ عالم میں آپ کا داخلہ ہوا اور درجہ صدرالافاضل تک تعلیم حاصل کی یعنی ۱۹۸۰ء میں سلطان المدارس سے فراغت ہوئی۔ آپ نے مولانا سیدعلی رضوی، مولانا سید محمد صالح رضوی، مولانا سید کلب عابد نقوی، مولانا سید حسن نقوی، مولانا غلام مرتضی، مولانا الطاف حیدر، مولانا سید محمد جعفر رضوی، مولانا سید محمد مہدی، مولانا سعادت حسن خان، مولانا محمد صادق اور مولانا مرزا محمد عالم وغیرہ جیسے جید علمائے کرام سے کسب فیض کیا ہے۔ سلطان المدارس کی تعلیم ہی کے دوران آپ نے الہ آباد بورڈ کے عالم، فاضل اور لکھنؤ یونیورسٹی کے عالم، فاضل تفسیر کے امتحانات پاس کیے اور ساتھ ہی ساتھ بعد از ظہر چلنے والے شیعہ عربی کالج سے عماد الادب و عماد التفسیر کا کورس بھی پورا کیا اور اسی طرح غفرانمآب میں مولانا مرزا محمد عالم مرحوم کے ذریعہ تاسیس کیے جانے والے ایک مدرسہ میں بھی مشغول تعلیم رہتے تھے۔

۱۹۸۰ء میں سلطان المدارس سے فراغت کے بعد مولانا مرزا محمد عالم نے آپ کو اپنے مدرسہ جامعۃ التبلیغ کا انچارج بنایا جہاں آپ مدرسہ کی نظارت کے ساتھ ساتھ تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ ۱۹۸۳ء میں آپ کو مدرسہ باب العلم مبارکپور کا وائس پرنسپل بنایا گیا وہاں بھی تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور تقریباً ڈھائی سال وہاں رہنے کے بعد تین سال تک راجولاسٹی، گجرات میں پیش امام کی حیثیت سے دینی خدمات انجام دی اور اس کے بعد دو سال تک مہوہ گجرات میں واقع ''رحمت ٹرسٹ'' کے

سرپرست کے عہدے پر فائز رہے جہاں آپ کے ساتھ مولانا لیاقت علی بھی آپ کے ہم منصب تھے۔ رحمت ٹرسٹ کے ماتحت گجرات کے مختلف علاقوں میں مدرسے اور مکتب قائم تھے۔ وہاں دو سال خدمات انجام دینے کے بعد جب گھر تشریف لائے تو آپ کی آنکھ میں کچھ پریشانی ہوگئی جس کی وجہ سے رفتہ رفتہ آپ کی بینائی جاتی رہی اور کاملا نابینا ہوگئے جس کا علاج آج تک جاری ہے[۱]۔

آپ نے تعلیم و تدریس کے دوران کئی مضامین بھی لکھے تھے جو اس وقت کے رسالوں میں چھپتے رہے۔ آپ ایک اچھے خطیب بھی ہیں لہذا آپ نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں محرم اور ماہ رمضان میں دینی خدمات انجام دی ہیں لیکن بینائی جانے کے بعد اگرچہ دوسری جگہوں پر جانے سے معذور ہوگئے ہیں لیکن پورے سال، گاوں میں ہونے والی متعدد مجالس کو خطاب کرتے رہتے ہیں اور آج تک محلہ بلوہ پر واقع امامبارگاہ میں موقع بموقع محرم کا عشرہ پڑھتے آرہے ہیں۔

اولاد: آپ کی شادی کوپا گنج اقبال رضا مرحوم کی بیٹی سے ہوئی ہے جن سے پانچ بیٹیاں ہیں۔

مولانا قائم رضا

مولانا قائم رضا ابن جناب ابن حسن، ۱۵ / اگست ۱۹۶۴ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ میں حاصل کی اور مولانا غلام رسول مرحوم، مولانا زوار حسین مرحوم سے تلمذ کیا۔ وہاں سے درجہ پنجم پاس کرنے کے بعد مدرسہ اشاعت العلوم محلہ پارہ میں تعلیم حاصل کی اور وہاں مولانا امانت اللہ، مولانا محمد نعمان، مولانا رفیق احمد وغیرہ سے کسب فیض کیا اور پھر مدرسہ باب العلم مبارکپور میں داخلہ لیا اور وہاں رہکر الہ آباد بورڈ کے امتحانات میں بھی شریک ہوتے رہے۔ مدرسہ باب العلم میں مولانا علی ارشاد مرحوم، مولانا حاجی سلمان احمد مرحوم، مولانا صادق حسین وغیرہ سے کسب علم کیا اور ۱۹۷۸ء میں درجہ مولوی پاس کرنے کے بعد سلطان المدارس لکھنؤ میں درجہ عالم میں داخلہ لیا اور ۱۹۸۵ء میں صدر الافاضل کی ڈگری حاصل کر کے فارغ التحصیل

---

[۱]۔ مولانا موصوف سے انٹرویو کے ذریعہ لی گئی معلومات۔ ماہ اگست ۲۰۱۴ء

ہو گئے۔

سلطان المدارس میں تعلیم کے دوران ہی آپ نے شیعہ عربی کالج اور لکھنؤ یونیورسٹی سے دبیر ماہر، دبیر کامل، فاضل فقہ بھی کیا ہے اور سلطان المدارس، لکھنؤ یونیورسٹ اور شیعہ کالج کے اساتذہ میں مولانا محمد صالح رضوی، مولانا محمد جعفر رضوی، مولانا سید علی رضوی، مولانا مرتضی حسین، مولانا اخلاق مہدی، مولانا محمد مہدی، مولانا بیدار حسین، مولانا سعادت حسین، مولانا سید حسن، ڈاکٹر انوار الحسن، مولانا سید علی نقوی، مولانا مرزا محمد اطہر، مولانا مرزا محمد اشفاق اور ڈاکٹر علی امام وغیرہ کے نام ذکر کیے جاسکتے ہیں۔ سلطان المدارس کے بعد دینی تبلیغ کے سلسلے میں آپ نے غازیپور میں تقریبا ایک سال تک خدمات انجام دیں اور پھر ۱۹۸۷ء سے لیکر اب تک تنظیم المکاتب لکھنؤ میں خدمت انجام دے رہے ہیں[۱]۔

مولانا گوہر علی

مولانا گوہر علی ابن محمد حسن مرحوم، ۱۵ مارچ ۱۹۶۴ء کو پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ میں حاصل کرنے کے بعد مدرسہ باب العلم مبارکپور اور اس کے بعد مدرسہ سلطان المدارس لکھنؤ میں داخلہ لیا اور اس دوران انہوں نے اس دور کے اساتید مولانا علی ارشاد مبارکپوری، مولانا زین العابدین کوپاگنجی، سید محمد صالح رضوی اور سید علی رضوی وغیرہ سے کسب فیض کیا۔ سلطان المدارس سے سندالافاضل کرنے کے بعد دینی تعلیم کو جاری رکھنے کے لیے آپ نے ایران کا سفر کیا اور وہاں کے ''مدرسہ حجتیہ'' اور ''خاتم النبین'' میں سات سال تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہندوستان تشریف لائے۔ ہندوستان آنے کے بعد آپ نے مختلف علاقوں میں تدریس وتبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا ان میں سے رامپور، سوہاوا سادات یوپی، مدرسہ امامیہ پورہ معروف، پوتن ہلی وغیرہ میں تبلیغ وتدریس کے فرائض انجام دیئے ہیں اور چار سال سے برسرائمہ میں امام جمعہ وجماعت اور تدریس کے فرائض انجام دینے میں مشغول ہیں[۲]۔

۱۔ مولانا موصوف سے لی گئی معلومات، ۵/جنوری ۲۰۱۶ء

۲۔ مئی ۲۰۱۵ء میں مولانا سے لی گئی معلومات۔

مولانا غلام حسنین صدرالافاضل

مولانا غلام حسنین ابن ذوالفقار علی مرحوم ۱۰/ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو محلہ بانسہ میں پیدا ہوئے ہیں۔آپ نے ابتدائی تعلیم مکتب امامیہ میں حاصل کی اور وہاں سے درجہ پنجم پاس کرنے کے بعد بستی ہی کے مدرسہ اشاعت العلوم محلہ پارہ میں داخلہ لیا جہاں عربی، فارسی، ہندی وحساب وغیرہ پڑھنے کے بعد مدرسہ باب العلم مبارکپور میں داخلہ لیا جہاں درجہ منشی تک تعلیم حاصل کی اور لکھنؤ کے مشہور مدرسہ سلطان المدارس کے درجہ مولوی میں داخلہ لیا اور وہاں کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مدرسہ واعظین میں داخلہ لیا جہاں سے واعظ کی ڈگری حاصل کی اور پھر ہندوستان کے مختلف علاقوں میں دینی خدمات انجام دیتے رہے۔

حصول علم کے دوران اپنے وقت کے جید علمائے کرام مولانا عشرت، مولانا ارشاد حسین معروفی، مولانا ظہورالمصطفی، مولانا صادق حسین، مولانا سید بیدار حسین، مولانا اخلاق مہدی، مولانا غلام مرتضی، مولانا سید محمد جعفر رضوی، مولانا شبیہ الحسن نونہروی، مولانا قمر حسن وغیرہ سے کسب علم کیا ہے۔تقریباً آٹھ سال سے پورہ معروف کی شیعہ جامع مسجد آل نبی محلہ پرانا پورہ میں امام جمعہ و جماعت اور مکتب امامیہ میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں[۱]۔

مولانا شبیر حسن زینبی

مولانا شبیر حسن ابن سبط حسن مرحوم، ۱۶/ دسمبر ۱۹۶۹ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بستی کے مکتب امامیہ میں حاصل کرنے کے بعد اسی بستی کے محلہ پارہ میں موجود مدرسہ اشاعت العلوم میں حاصل کی اور اس کے بعد جامعۃ التبلیغ لکھنؤ میں داخلہ لیا لیکن اسی دوران آپ کے والد کا انتقال ہو گیا تو گھر واپس چلے آئے پھر آپ کے بڑے بھائی نے تعلیم جاری رکھنے پر زور دیا تو آپ نے مدرسہ باب العلم مبارکپور میں داخلہ لیا

۱۔ مولانا موصوف نے بھی یہ ساری معلومات ۱۰/ ۹/ ۲۰۱۴ء کو ارسال فرمائی تھی۔

جہاں تین سال تک پڑھائی جاری رکھنے کے بعد ۱۹۸۵ء میں دینی تعلیم کو مزید آگے بڑھانے کے لئے سیریا کا سفر کیا اور وہاں پر موجود حوزہ علمیہ زینبیہ میں داخلہ لیا۔ آپ نے شروع سے لیکر آخر تک کی اپنی تعلیم کے دوران مختلف علمائے کرام جیسے مولانا صادق، مولانا زین العابدین، مولانا اسد رضا گوپالپوری، مولانا مرزا محمد عالم، ڈاکٹر حسن اصغر، مولانا محمد رضا احمدی، مولانا محمد علی فاضلی، مولانا سید رضوی، آقائے قاسم آخونداور شیخ مقدس وغیرہ سے کسب علم کیا ہے۔

حوزہ زینبیہ کی تعلیم پوری ہونے کے بعد درس خارج میں شرکت کرتے رہے اور پھر دنیا بھر سے آنے والے طلاب کرام کے لئے ۱۹۹۵ء میں ''حسینیہ ہندیہ'' نام سے ایک ادارہ کی بنیاد رکھی جس میں درس و تدریس، محافل و مجالس کا انعقاد کیا جاتا تھا۔ ۲۰۰۴ء میں اسی حسینیہ کو دنیا بھر سے آنے والے طلاب کرام کے لئے حوزہ امام حسین نام سے ایک حوزہ کی شکل دے دی اور یہ حوزہ بخوبی چلتا رہا لیکن سیریا کے حالات خراب ہو جانے کے بعد آپ ہندوستان تشریف لے آئے اور یہاں آکر اسی دینی اور طلاب دین کی خدمت کے جذبہ کے ساتھ آپ نے اپنے بھائی مولانا وزیر حسن زینبی کے ساتھ ملکر ۲۰۱۲ء کو لکھنؤ میں مدرسہ عقیلۂ بنی ہاشم نام کے ایک مدرسہ کی تاسیس کی ہے جہاں طلاب کرام دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں[۱]۔

مولانا غضنفر نواب صدرالافاضل

مولانا غضنفر نواب ابن ڈاکٹر مہدی اصغر، ۱۲/ اگست ۱۹۷۰ء کو محلہ پرانا پورا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مکتب امامیہ میں حاصل کی جہاں منشی محمد رشید ××× اپوری نے بڑی محنت و لگن سے آپ کی تربیت کی جس کے سبب ۱۹۸۲ء کو درجہ پنجم میں امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کرنے کے بعد اہلسنت کے مشہور مدرسہ ضیاء العلوم میں عربی فارسی اور نحو و صرف کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ کچھ سال کے بعد دینی تعلیم کو جاری

۱۔ مولانا موصوف نے ۱۰/ ۹/ ۲۰۱۴ء کو یہ معلومات تحریر کر کے ارسال کی تھیں۔

رکھنے کے لیے بنارس کے مدرسہ ایمانیہ میں داخلہ لیکن وہاں کا ماحول طبیعت سے متناسب نہ ہونے کے سبب وہاں سے واپس آ کر دوبارہ مدرسہ ضیاء العلوم میں پڑھائی کو جاری رکھا اور دو سال پڑھنے کے بعد ۱۹۸۶ء میں لکھنؤ چلے گئے جہاں مدرسہ سلطان المدارس کے درجہ مولوی الف میں داخلہ ہوا اور وہاں پر چار سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد ابھی آپ درجہ سند الا فاضل ہی میں تھے کہ مدرسہ واعظین اور ایرانی امتحانات میں شرکت کی اور بحمد اللہ دونوں امتحانات میں کامیابی حاصل ہوئی جس کے نتیجہ میں ۱۹۹۰ء کو اعلی تعلیم کی غرض سے ایران کا سفر کیا جہاں سب سے پہلے فارسی زبان سیکھی اور اس کے بعد قم کے مشہور ''مدرسہ حجتیہ'' کے پایہ سوم میں داخلہ ہوا اور یہ تعلیمی سلسلہ ۱۹۹۵ء تک مسلسل جاری رہا۔

۱۹۹۵ء ہی میں مدرسہ جامعۃ التبلیغ لکھنؤ میں استاد کی حیثیت سے اعزام پر ہندوستان تشریف لائے اور ایک سال کے بعد حج کرنے کی غرض سے دوبارہ ایران کا سفر کیا لیکن بدقسمتی سے حج نصیب نہ ہو سکا لہذا دوبارہ تدریس کے لیے سلطان المدارس میں اعزام پر ہندوستان تشریف لائے اور چونکہ آپ نے وہاں کی تعلیم مکمل نہیں کی تھی اس لئے پرنسپل مولانا سید محمد جعفر رضوی مرحوم سے آپ نے ساتھ ہی ساتھ سند الا فاضل اور صدر الا فاضل کے امتحانات دینے کی گذارش کی جسے انہوں نے قبول کیا اور چھ ماہ کے اندر اپنی ان دو کلاسوں کی پوری تیاری کر کے امتحانات دیکر کامیابی کے ساتھ ۱۹۹۷ء میں صدر الا فاضل کی ڈگری حاصل کی۔ اسی سال یعنی ۱۹۹۷ء کو مدرسہ سلطان المدارس کے پرنسپل جناب مولانا سید محمد جعفر مرحوم کے بھائی اور مدرسہ سلطانیہ کے استاد جمولانا سید محمد مصطفی کا انتقال ہو گیا لہذا ان کی جگہ پر استاد کی حیثیت سے آپ کا تقرر کیا گیا اور اس وقت سے لیکر آج تک مولانا موصوف تدریس کے فرایض انجام دے رہے ہیں۔

مولانا نے اپنی تعلیم کے دوران اس وقت کے موجودہ اساتید مولانا سید بیدار حسین، مولانا سید محمد جعفر رضوی، مولانا شفیق حسین، مولانا مرتضی ان وغیرہ سے کسب فیض کیا ہے[1]۔ آپ باصلاحیت اور محنتی طالب علم رہے ہیں اور اسی طرح ایک باصلاحیت استاد بھی ہیں، ساتھ ہی ساتھ ایک بہترین مقرر بھی ہیں ہندوستان کے مختلف علاقوں میں خطابت کے فرایض انجام دیئے ہیں جس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے ماہ محرم

[1]۔ مولانا موصوف سے ۱۲/فروری ۲۰۱۵ء کو خط و کتابت کے ذریعہ لی گئی معلومات۔

وصفر میں لکھنؤ کے علاوہ دوسرے شہروں میں بھی خطابت کرنے کے لیے جایا کرتے ہیں۔اسی طرح آپ نے ماہ رمضان میں بھی ہندوستان کے مختلف شہروں میں دینی خدمات انجام دینے کا سلسلہ رکھا ہے۔لکھنؤ میں شیش محل کی مسجد میں کئی سالوں تک نماز جماعت کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں اوراس وقت سجاد باغ میں موجود ایک مسجد میں امامت کے فرایض انجام دے رہے ہیں۔

تالیف وترجمہ

مولانا موصوف نے اپنے تعلیمی دورہ میں کتاب ''لمعہ'' کے باب طہارت، باب میراث اور ابن حاجب کی کتاب ''کافیہ'' کی شرحیں لکھیں ہیں۔جناب امیدوار کی کتاب ''اخلاق تدریس'' اور محمد حسین فلاح زادہ کی کتاب ''احکام دینی، حصہ اول ودوم'' کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔جو تنظیم المکاتب گولہ گنج سے چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں۔

مولانا کلب حسن

مولانا کلب حسن ابن صغیر مہدی مرحوم، ۱۵ / اگست ۱۹۷۰ء کو محلہ بانسہ کے ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ میں حاصل کی اور پھر مدرسہ اشاعت العلوم محلہ پارہ میں بھی کچھ سالوں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ باب العلم مبارکپور میں داخلہ لیا اور وہاں کی تعلیم کے دوران الہ آباد بورڈ کے منشی، مولوی (۱۹۸۶) کے امتحانات پاس کئے۔اس کے بعد مزید دینی تعلیم کو آگے بڑھانے کے لیے مدرسہ سلطان المدارس لکھنؤ میں داخلہ لیا اور ۱۹۹۴ میں وہاں سے فراغت حاصل کی۔ مدرسہ سلطان المدارس میں تعلیم کے دوران ہی شیعہ کالج سے بی۔اے (۱۹۹۳) اور ایم۔اے (۱۹۹۵) کی بھی ڈگری حاصل کی اور الہ آباد بورڈ اور علی گڑھ بورڈ کامل (۱۹۸۸)، عالم (۱۹۹۰)، فاضل فقہ (۱۹۹۲)، فاضل طب [۱۹۹۴)، فاضل ادب (۱۹۹۳) معلم وغیرہ جیسے دیگر امتحانات پاس کرتے رہے۔آپ نے اپنے اس پورے تعلیمی سفر میں مختلف اساتید مولانا ارشاد حسین معروفی، مولانا سید بیدار حسین، مولانا شفیق حسین، مولانا سید محمد جعفر رضوی مرحوم، مولانا غلام مرتضی، مولانا اخلاق مہدی، مولانا قمر سبطین ومولانا شیخ مہدی حسن

کشمیری وغیرہ سے کسب علم کیا ہے۔

مولانا نے سلطان المدارس میں تعلیم ہی کے دوران سے تبلیغ اور خطابت کا سلسلہ شروع کردیا تھا اور جب تک لکھنؤ میں مشغول تعلیم تھے امامباڑہ سبطین آباد حضرت گنج کی مسجد میں امام جماعت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ سلطان المدارس سے فراغت کے بعد کرناٹک، کلکتہ اور گجرات کے مختلف علاقوں میں خطابت اور تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں اور اس کے علاوہ محرم کی مجالس کو خطاب کرنے کے لیے نئی کراچی پاکستان کا بھی سفر کیا ہے اور تقریباً پچیس سال سے بڑھولی پور سادات تحصیل منکاپور ضلع گونڈا میں محرم کا عشرہ خطاب کررہے ہیں اور تقریباً آٹھ سال سے پورہ معروف کے مکتب امامیہ میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور تقریباً ایک سال مسجد امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجھم، محلہ حسین آباد میں امام جماعت کے فرائض انجام دے رہے ہیں[1]۔

مولانا شبیہ الحسن

مولانا شبیہ الحسن ابن زوار حسین مرحوم محلہ پرانہ پورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم گاوں میں حاصل کرنے کے بعد ۱۹۸۳ء میں مدرسہ باب العلم مبارکپور میں داخلہ لیا اور وہاں پر عربی و فارسی، نحو و صرف، منطق و فلسفہ وغیرہ کی کتابیں پڑھیں پھر جامعہ جوادیہ بنارس چلے گئے جہاں سے ۱۹۹۲ء میں فارغ ہوگئے۔ فراغت کے بعد موضع باسن، راجستھان میں تقریباً ڈھائی سال تک دینی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۹۴-۱۹۹۵ء میں جامعہ حیدریہ خیرآباد میں تدریس کے فرائض انجام دیئے اور پھر موضع کریم پور، کرناٹک میں تبلیغی سلسلہ چلتا رہا اور دوبارہ چند مہینے جامعہ حیدریہ اور جامعہ امام مہدی میں تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔

۱۹۹۸ء میں آپ نے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے سیریا کا سفر کیا اور وہاں کے مشہور مدرسہ حوزہ

---

[1]۔ مولانا موصوف سے خط و کتابت کے ذریعہ لی گئی معلومات ۳۰،۱۰،۲۰۱۴ء

زینبیہ میں داخلہ لیا۔ تعلیم کا یہ سلسلہ تقریبا ۱۳ سال تک چلتا رہا۔ ۲۰۱۱ء میں وہاں سے ہندوستان تشریف لائے اور اس کے بعد سے لیکر آج تک موضع سندھاولی مظفرنگر میں تبلیغ وتدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں[۱]۔

مولانا افتخار حسین ''مظہرؔ معروفی''

مولانا افتخار حسین ابن مکرم عباس مرحوم، ۱۶/ اکتوبر ۱۹۶۸ء میں محلہ پرانا پورہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ میں حاصل کرنے کے بعد ۱۹۸۴ء میں مدرسہ باب العلم میں داخلہ لیا اور چند سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد تنظیم المکاتب لکھنؤ کی طرف سے ہونے والی مدرسین کی ٹریننگ میں شرکت کی اور وہیں سے ملک کے کئی مکاتب میں بتدریج استاد کی حیثیت سے بھیجے گئے دوتین سال کے بعد آپ نے مدرسہ ایمانیہ بنارس میں داخلہ لیا اور دینی پڑھائی کو جاری رکھا، دوسال تک پڑھائی کا سلسلہ چلتا رہا اور پھر تبلیغ وتدریس کے فرائض انجام دینے لگے جن میں سے آپ نے ۱۹۸۸ء سے ۱۹۸۹ء تک مدرسہ امامیہ کوپاگنج میں تدریس کی اور ۱۹۹۳ء سے ۲۰۰۵ء تک مدرسہ باب العلم مبارکپور میں استاد رہے[۲]۔ مولانا موصوف ایک اچھے شاعر، محافل کے ناظم اور خطیب ہیں لہذا محافل ومجالس کو خطاب کرنے کے لیے آپ نے ہندوستان کے مختلف علاقوں کے ساتھ ساتھ بیرون ملک کا دورہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ ''شعور مظہر'' عنوان سے ان کے نوحے وسلام کا مجموعہ چھپ کر منظر عام پر آچکا ہے۔

مولانا وزیر حسن زینبی

مولانا وزیر حسن ابن سبط حسن مرحوم، ۱۲/ اگست ۱۹۷۲ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مکتب امامیہ پورہ معروف میں حاصل کی اور پھر مدرسہ اشاعت العلوم میں داخلہ لیا۔ ستمبر ۱۹۸۵ء سے ۱۹۸۹ء تک مدرسہ

۱۔ مولانا موصوف سے لی گئی معلومات، ۱۲/ ۱۱/ ۲۰۱۵ء

۲۔ مولانا موصوف سے ۱/ ۹/ ۲۰۱۵ء کو لی گئی معلومات

باب العلم مبارکپور میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد دینی تعلیم کو جاری رکھنے کے لیے سیریا چلے گئے اور وہاں پر موجود حوزۂ امام خمینی اور حوزۂ علمیہ زینبیہ کی تعلیم پوری کرنے کے بعد درس خارج میں شرکت کرتے رہے۔ مولانا موصوف نے ہندوستان میں مولانا صادق حسین، ماسٹر سید محمد وصی، ماسٹر ارمان، مولانا زین العابدین، مولانا محمد مظہر حسین، مولانا منظر حسین، مولانا ارشاد حسین وغیرہ جیسے اساتذہ سے کسب فیض کیا ہے اور سیریا میں آیت اللہ سلطان فاضل، آیت اللہ سید مجتبیٰ حسینی، آقای محمد علی فاضلی، آقای سید طباطبائی، آقای سید رضوی، آقای قاسم آخوند اور جناب شیخ مقدس وغیرہ جیسے علما سے کسب علم کیا ہے۔ جب ۱۹۹۵ء میں آپ کے بھائی نے ''حسینیہ ہندیہ'' نام کے ادارہ کی بنیاد رکھی جس میں درس و تدریس، محافل و مجالس کا انعقاد کیا جاتا تھا اور پھر ۲۰۰۴ء میں اسی حسینیہ کو دنیا بھر سے آنے والے طلاب کرام کے لئے حوزۂ امام حسین نام سے ایک حوزہ کی شکل دے دی گئی تو آپ اس کام میں اپنے بھائی کی پوری مدد کرتے رہے اور آپ ہی اس مدرسہ کے پرنسپل بھی تھے البتہ سیریا کے حالات خراب ہوجانے کے بعد آپ ہندوستان تشریف لے آئے۔ ۲۰۱۲ء کو جب لکھنؤ میں مدرسہ عقیلۂ بنی ہاشم کی بنیاد رکھی گئی تو آپ کو مدرسہ کا پرنسپل نامزد کیا گیا اور آج تک مدرسہ کے امور کو انجام دے رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ مدرسہ ہی میں تدریس کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں[1]۔

مولانا رضوان عباس معروفی

مولانا رضوان عباس ابن غلام حسین مرحوم، ۱۹۷۴ء میں محلہ بلوہ کے ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مکتب امامیہ میں حاصل کرنے کے بعد ۱۹۸۱ء میں جامعۃ التبلیغ میں داخلہ لیا جہاں تقریبا تین سال تک یعنی ۱۹۸۳ء تک تحصیل علم کیا اور پھر اپنی دینی تعلیم کو جاری رکھنے کے لئے مدرسہ ایمانیہ بنارس میں داخلہ لیا جہاں ۱۹۹۷ء میں شمس الافاضل کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ نے تعلیم کے دوران مولانا مرزا محمد عالم، مولانا منظر حسین، مولانا سید احمد حسن، مولانا سید محمد اور مولانا

---

[1]۔ مولانا موصوف سے لی گئی معلومات ۲۰۱۶ء

ظفر الحسینی وغیرہ سے کسب علم کیا ہے۔ تعلیم ہی کے دوران ۱۹۹۲ء سے لیکر ۱۹۹۵ء تک گجرات کے مختلف علاقوں میں خطابت اور تبلیغ کی ہے۔

مدرسہ ایمانیہ سے فراغت کے بعد یعنی ۱۹۹۸ء سے ۲۰۰۱ء تک دوبارہ گجرات کے مختلف علاقوں میں دینی اور مذہبی خدمات انجام دیں۔ ۲۰۰۲ء سے اب تک ہندوستان کے مختلف علاقوں میں خصوصا یو پی کے اکثر علاقوں میں خطاب کرنے جایا کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ موجودہ وقت میں جامعہ ایمانیہ بنارس میں تدریس کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں[۱]۔ مولانا موصوف کو بچپن سے لکھنے پڑھنے سے بہت زیادہ دلچسپی رہی ہے لہذا عمدہ مضامین لکھنے کی مہارت رکھتے ہیں جو برابر دینی مجلّات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ موجودہ وقت میں آپ کا شمار بہترین خطیب اور ذاکرین میں ہوتا ہے، نیز آپ ایک اچھے شاعر بھی ہیں اور کبھی کبھی محافل میں نظامت کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔

مولانا ڈاکٹر ذیشان حیدر ممتازالافاضل

مولانا ذیشان حیدر ابن مولانا ارشاد حسین، ۸/ اگست ۱۹۷۴ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ میں جناب منشی رشید جلالپوری سے حاصل کی اس کے بعد مزید تعلیم کے لیے مدرسہ باب العلم مبارکپور چلے گئے اور وہاں عربی فارسی، منطق وفلسفہ میں استعداد بہم پہونچائی۔

۱۷/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۸/ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو جب جامعہ حیدریہ مدینۃ العلوم خیرآباد کا قیام عمل میں آیا تو اس کا آغاز پانچ طالب علموں اور ایک مدرس (مولانا ارشاد حسین معروفی) سے ہوا چنانچہ آپ بھی انھیں پانچ طالب علموں میں شامل تھے اور اپنے والد کی زیر نگرانی تعلیم وتربیت پائی۔ ۱۹۸۹ء میں اعلی تعلیم حاصل کرنے کیلئے مشارع الشرایع جامعہ ناظمیہ میں داخلہ لیا اور تقریبا ایک دہائی تک وہاں کی تعلیمی اور تربیتی فضا سے استفادہ کیا اور عربی وفارسی کے ساتھ عقلی علوم میں بھی مہارت پیدا کی، وہاں کے مشاہیر

---

[۱]۔ مولانا سے انٹرویو کے ذریعہ لی گئی معلومات۔ ماہ اگست ۲۰۱۴ء

اساتذہ میں جناب مولانا مرتضیٰ نقوی، مولانا محمد حسین نجفی، مولانا سید حمید الحسن، مولانا سید محمد شاکر، مولانا محمد مجتبیٰ حسین، مولانا سید شہنشاہ حسین، مولانا محمد حسنین کے نام قابل ذکر ہیں جنہوں نے آپ کی شخصیت کو سنوارنے اور پروان چڑھانے میں بہت اہم کردار ادا نبھایا ہے یوں تو انہیں تمام عقلی اور نقلی علوم سے دلچسپی تھی لیکن فارسی زبان وادب سے ایک خاص شغف تھا چنانچہ جامعہ ناظمیہ کی طالب علمی کے دوران ہی شیعہ پی جی کالج میں بی۔اے۔ میں داخلہ لیا اور ۱۹۹۶ء میں اسے فارسی مضمون کے ساتھ امتیازی نمبروں سے پاس کیا اس کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی سے فارسی میں ایم۔اے۔کیا۔

۱۹۹۸ء میں جامعہ ناظمیہ سے فراغت حاصل کی اور اسی دوران ایران میں حوزہ ہائے علمیہ میں داخلہ کے لیے منعقد ٹسٹ میں کامیابی حاصل کی اور تعلیم کی تکمیل کے لیے ایران پہونچے۔ پہلے تو مدرسہ امام خمینی میں فارسی بول چال کی زبان سیکھی اس کے بعد نظام پایہ ای کے تحت مدرسہ مرعشیہ میں تعلیم حاصل کی اور وہاں کے اساتذہ میں جناب نجفی، جناب اکبری، آیت اللہ مکارم شیرازی اور آیت اللہ بہجت تبریزی وغیرہ کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں جن کے فقہ واصول اور علوم قرآن اور تفسیر دروس سے فیضیاب ہوئے اور چند ہی سال بعد ایران کی طرف سے مدرسہ باب العلم میں مدرس مقرر ہوئے لیکن کچھ ہی دنوں بعد اپنی مادر علمی جامعہ حیدریہ مدینۃ العلوم خیرآباد میں استاد مقرر ہوئے اور نحو، صرف، فقہ واصول اور علوم قرآن کی تعلیم دیتے رہے۔ اسی دوران لکھنؤ یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ میں داخلہ لیا اور اپنے مقالے جس کا موضوع ''برخی از معروف ترین شعرائے برگزیدہ زبان فارسی در نصف آخر قرن بیستم میلادی در ایران'' ہے اسے پروفیسر آصفہ زمانی سابق صدر شعبہ فارسی لکھنؤ یونیورسٹی کی راہنمائی میں پایہ تکمیل تک پہونچایا جس پر لکھنؤ یونیورسٹی نے ۲۰۰۶ء میں انہیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری عنایت کی۔

۲۰۰۶ء میں لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبہ علوم مشرقیہ میں جز وقتی استاد مقرر ہوئے اور تقریبا ایک سال تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۲۰۰۷ء میں جھارکھنڈ پبلک سروس کمیشن کے ذریعہ دُمکا یونیورسٹی کے تحت ملت کالج پرسا (گوڈا جھارکھنڈ) میں لکچرر مقرر ہوئے لیکن چند ہی مہینوں بعد یو پی پبلک سروس کمیشن کے ذریعہ گورنمنٹ رضا پی جی کالج رامپور میں لکچرر ہو گئے اور وہاں کے شعبہ فارسی میں جو اس وقت

پژمردگی کا شکار تھا ایک نئی روح پھونک دی۔

اگست ۲۰۱۲ء میں مولانا آزاد یونیورسٹی حیدرآباد میں تقرر عمل میں آیا جس کے تحت اس کے لکھنؤ کیمپس میں استاد مقرر ہوئے اور تا حال تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں اور یونیورسٹی میں اپنے فرائض کی انجام دہی کے بعد وہ اپنا بیشتر وقت تصنیف و تالیف میں گذارتے ہیں اور اکثر طلبہ ان کی رہائش پر اصلاح اور تعلیم کے لیے آتے ہیں[۱]۔ فارسی جدید کے ساتھ انہیں قدیم فارسی کے ادبی متون پر مکمل عبور حاصل ہے، علمی، ادبی اور فنی موضوعات پر ان کی باتیں بڑی دلچسپ اور معلوماتی ہوتی ہیں جس سے ان کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مطالعہ ان کا اوڑھنا بچھونا اور کتب بینی ان کا محبوب مشغلہ ہے۔

تالیفات

۱۔ آرسی ترجمہ نصاب فارسی

۲۔ ترجمہ و شرح چہار مقالہ (زیر طبع)

۳۔ ایران میں بیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر کے چند معروف شعرا

ان کے علاوہ بہت سے مضامین علمی اور ادبی رسالوں میں شائع ہو کر مقبولیت کی سند حاصل کر چکے ہیں جن میں ''احوال و آثار پرفسور ولی الحق انصاری''، ''نظیر نیشاپوری کی صوفیانہ شاعری'' وغیرہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

مولانا کلیم اصغر

مولانا کلیم اصغر ابن غلام مہدی مرحوم، ۲۶ نومبر ۱۹۷۴ء کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ میں حاصل کرنے کے بعد جامعہ جوادیہ میں داخلہ لیا اور وہاں سے درجہ عالم پاس کرنے کے بعد تبلیغ و تدریس میں مصروف ہو گئے مدرسہ میں تعلیم کے دوران الہ آباد بورڈ کے امتحانات میں بھی شرکت کرتے رہے اور

---

[۱]۔ مولانا موصوف کے بھائی مولوی فیضان حیدر نے یہ معلومات تحریری صورت میں ۸ / ۱۰ / ۲۰۱۴ء کو ارسال کی تھیں۔

تعلیم کے دوران آپ نے مولانا تفضّل مہدی مرحوم، مولانا صفدر حسین زیدی، مولانا حسین مہدی، مولانا سید شمیم الحسن، مولانا قیصر حسن، مولانا عطا حسین مرحوم، مولانا شمس الحسن، مولانا صبیح الحسن اور مولانا ذہین حیدر غازیپوری جیسے اساتذہ سے کسب فیض کیا ہے۔ جامعہ جوادیہ سے پڑھائی کرنے کے بعد آپ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تبلیغ و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں جن میں مہراج گنج، گورکھپور، ضلع بجنور وغیرہ شامل ہیں۔ اس وقت آپ دکھن پٹی ببرکھا، ضلع جونپور کے ایک مکتب میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں[1]۔

مولانا اختر حسن

مولانا اختر حسن ابن جناب غلام سرور، ۱۵/ مارچ ۱۹۷۶ء کو محلہ حسین آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم درجہ اطفال سے درجہ دوم تک مدرسہ امامیہ میں حاصل کی اس کے بعد درجہ دوم سے پنجم تک کی تعلیم مدرسہ ضیاء العلوم میں حاصل کرنے کے بعد مدرسہ باب العلم مبارکپور میں داخلہ لیا جہاں درجہ عالم تک پڑھائی کرنے کے بعد سلطان المدارس چلے گئے اور وہاں درجہ عالم سے آخری کلاس یعنی صدر الافاضل تک تعلیم حاصل کی اور اسی دوران آپ الہ آباد بورڈ اور علیگڑھ بورڈ کے منشی، مولوی، ادیب، ادیب ماہر اور معلم کے امتحانات بھی پاس کرتے رہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ لکھنؤ یونیورسٹی سے بی۔اے اور ایم۔اے کے امتحانات بھی پاس کرتے رہے ہیں۔ آپ نے اپنے تعلیمی دورے میں مولانا ارشاد حسین معروفی، مولانا سید بیدار حسین، مولانا سید محمد جعفر رضوی مرحوم، مولانا غضنفر نواب معروفی، مولانا شفیق حسین، مولانا سید محمد اصغر وغیرہ سے کسب فیض کیا ہے۔ ۱۹۹۵ء میں سلطان المدارس لکھنؤ سے فراغت کے بعد ہندوستان کے مختلف علاقوں میں دینی خدمات انجام دیتے رہے ہیں جن میں قصبہ سنڈیلہ ضلع ہردوئی میں دس سال تک امام جمعہ و جماعت اور تدریس کے فرائض انجام دیئے ہیں اور وہاں پر مدینۃ العلم نام کے ایک مدرسہ کی بھی بنا رکھی

---

[1]۔ مولانا موصوف سے لی گئی معلومات، ۲۷/ ۱۰/ ۲۰۱۵ء

تھی جو آج بھی جاری ہے۔ اسی طرح ماہ رمضان اور ماہ محرم وصفر میں مجلس پڑھنے کی غرض سے ہندوستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا ہے[1]۔

مولانا شمیم رضا

مولانا شمیم رضا ابن ظہور معصوم مرحوم، یکم جنوری ۱۹۷۶ء میں محلہ حسین آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے ہیں، ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ میں حاصل کی اور وہاں سے پنجم پاس کرنے کے بعد اپنے والد کی خواہش کے مطابق دینی تعلیم کو آگے بڑھانے کے لیے جامعہ جوادیہ بنارس میں داخلہ لیا جہاں مولانا شمیم الحسن، مولانا تفضّل مہدی مرحوم، مولانا قیصر عباس وغیرہ جیسے استادوں سے کسب فیض کیا اور فراغت کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے ایران اور شام کا سفر کیا البتہ ایران میں تھوڑی مدت قیام کے بعد شام چلے گئے اور وہاں پر موجود دینی مدرسہ میں داخلہ لیا اور سالوں دینی تعلیمات کے حصول میں مشغول رہے اور اپنے زمانہ کے جید علماء شیخ سلطان نجفی، جناب محمدی بامیانی، جناب شیخ احمدی، جناب ناصری، جناب شیخ جواد سعیدی وجناب رضوی وغیرہ سے کسب علم کرتے رہے۔

آپ نے اپنے تعلیمی دورے میں ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تبلیغ کے فرائض انجام دیئے ہیں شام سے ہندوستان واپسی کے بعد ایام محرم میں گجرات ودیگر علاقوں میں مجالس پڑھنے کے سلسلے سے جاتے رہے ہیں اور اس وقت ٹانڈہ کے ایک علاقہ خاص پور میں تدریس وتبلیغ کے فرائض انجام دے رہیں[2]۔ مولانا کو تھوڑا بہت لکھنے کا بھی شوق رہا ہے کیونکہ مولانا تفضّل مہدی مرحوم نے اپنی عمر کے آخری ایام میں مولانا موصوف کو انجمن مظلومیہ اور نشر واشاعت کی ساری ذمہ داری آپ ہی کے حوالہ کردی تھی اس وقت یعنی ۱۹۹۰ء میں جھلکیاں نام کا ۲۸ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ مرتب کیا تھا۔ اس رسالے میں پورہ معروف میں ۱۸/ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۳/ جون ۱۹۹۰ء کو ہونے والی محفل کی ساری تفصیلات بیان کی گئی ہیں

۱۔ مولانا موصوف نے ۱۰/ ۹/ ۲۰۱۴ء کو یہ معلومات تحریری شکل میں راقم الحروف کو ارسال کی تھی۔

۲۔ ۲۲ مارچ ۲۰۱۵ء کو مولانا موصوف سے لی گئی معلومات

اوراس محفل میں پڑھنے والے سارے علماء وشعراء کی تقاریر اور کلام کو بھی تحریر کیا گیا ہے جس کا مصرعہ طرح ''چودہ سو سالہ ولایت کا ہے جشن عام آج'' تھا۔

مولانا ضیغم علی

مولانا ضیغم علی ابن شبیر حسن مرحوم، ۱۹۸۰ء میں متولد ہوئے، ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ اور مدرسہ ضیاء العلوم میں حاصل کرنے کے بعد سلطان المدارس میں داخلہ لیا لیکن وہاں پر دو سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ جوادیہ عربی کالج میں داخلہ لیا اور ۱۹۹۶ء میں وہاں سے فارغ ہوئے۔ آپ نے دونوں مدرسوں میں تعلیم کے دوران مولانا شمس الحسن، مولانا خلیل احمد، مولانا شفیق حسین، مولانا بیدار حسین، مولانا سید محمد اصغر، مولانا تفضّل مہدی، مولانا احمد علی، مولانا عطا حسین، مولانا قیصر حسین ومولانا سید شمیم الحسن وغیرہ سے کسب علم کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ الہ آباد بورڈ کے مولوی، عالم، فاضل طب، فاضل فقہ کے امتحانات میں شرکت کرتے رہے ہیں۔ فراغت کے بعد ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تبلیغ، تدریس اور امام جمعہ و جماعت کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں جن میں رستم پورہ ضلع کھیڑا، کریم پور ضلع ٹمپور کرناٹک اور اسی طرح گجرات کے مختلف علاقوں میں تقریباً دس سال تک خدمات انجام دی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے دینی خدمات کی انجام دہی کے لئے بیرون ملک افریقہ اور کویت کا سفر بھی کیا ہے[1]۔

مولانا محمد علی عرف محرم علی

مولانا محمد علی ابن شبیر حسن مرحوم کی ولادت ۱۹۸۲ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ اور مدرسہ ضیاء العلوم میں حاصل کی اور پھر مدرسہ جوادیہ بنارس میں داخلہ لیا اور وہاں کے اساتذہ مولانا تفضّل مہدی، مولانا احمد علی، مولانا عطا حسین، مولانا قیصر حسین ومولانا سید شمیم الحسن وغیرہ سے کسب فیض کیا ہے۔ جامعہ

---

[1]۔ مولانا موصوف سے ۲۸/۸/۲۰۱۵ کو لی گئی معلومات

جوادیہ سے فراغت کے بعد ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تبلیغ وتدریس وامام جماعت کا سلسلہ شروع ہوگیا انہوں نے نگینہ ضلع بجنور، سیٹوت ضلع الہ آباد، سورت گجرات، میں دینی خدمات انجام دی ہیں اور فی الحال وجےنگرم آندھرا پردیش، میں دینی فرائض انجام دے رہے ہیں[۱]۔

مولانا محمد رضا

مولانا محمد رضا ابن ناصر حسین مرحوم ۱۰/شوال ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء کو محلہ حسین آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ پورہ معروف میں حاصل کی اور مدرسہ کا تعلیمی سال مکمل کرنے کے بعد بنارس کے دو مشہور مدرسے مدرسہ ایمانیہ اور مدرسہ جوادیہ میں تعلیم حاصل کی جہاں عربی، فارسی، نحو وصرف، منطق وفلسفہ اور تاریخ وحدیث کی کتابیں پڑھنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے شام ونجف کا سفر کیا۔ پہلے شام کا سفر کیا اور وہاں کے مشہور مدرسہ حوزہ علمیہ زینبیہ میں پڑھنے کے بعد نجف اشرف کا سفر کیا اور آج بھی آپ کا تعلیمی سلسلہ جاری ہے۔ موقع بہ موقع تبلیغ کے لیے ہندوستان تشریف لاتے ہیں۔

آپ کا شمار لائق اور باصلاحیت طالب علموں میں ہوتا ہے اور آپ کو شروع سے پڑھنے پڑھانے سے دلچسپی رہی ہے جیسا کہ اپنے دوران تعلیمی میں ہی تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے رہے ہیں۔ سیدہ زینبؑ کے حوزہ میں مقدمات اور سطوح کی کتابوں کا درس دیا اسی طرح وہاں تین سال درس خارج میں شرکت کرتے رہے اور جب آپ نجف تشریف لے گئے تو وہاں پر مختلف مراجع کرام کے درس میں شرکت کرنے کے ساتھ ساتھ وہاں پر مقیم طالب علموں کو سطوح اور سطوح علیا کی کتابوں کا درس دیتے رہے ہیں۔ انہوں نے متعدد عربی کی کتابوں کا اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے اور مختلف تحقیقی کاموں کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے[۲]۔

۱۔ مولانا موصوف کے بھائی مولانا ضیغم علی سے ۲۸/۸/۲۰۱۵ء کو لی گئی معلومات

۲۔ مولانا سے خط وکتابت کے ذریعہ لی گئی معلومات

مولانا تسخیر حسین

مولانا تسخیر حسین ابن ذاکر حسین، ۶/شوال ۱۳۹۸ھ مطابق ۹/ستمبر ۱۹۷۸ء بروز سوموار محلہ حسین آباد میں پیدا ہوئے۔آپ نے تقریبا پانچ یا چھ سال کی عمر سے پڑھائی کا آغاز کیا اور ابتدائی تعلیم اپنی بستی کے مدرسہ ضیاء العلوم میں حاصل کی اور پھر مدرسہ امامیہ میں داخلہ لیا جہاں درجہ سوم سے لیکر درجہ پنجم ۱۹۹۲ء تک تعلیم حاصل کی اور وہاں پر موجود مدرس مولانا دلبر حسنین سے خوب استفادہ کیا۔بستی کے مدرسہ کی تعلیم پوری کرنے کے بعد آپ نے جامعہ حیدریہ خیر آباد میں داخلہ لیا جہاں تقریبا پانچ سال تک پڑھائی کی اور اس دوران مولانا ارشاد حسین معروفی، مولانا ناظم علی خیر آبادی، مولانا محمد علی صفوی مرحوم اور مولانا خیرات الحسنین سے کسب علم کرنے کے بعد جامعہ ایمانیہ بنارس چلے گئے۔

جامعہ ایمانیہ سے فراغت اور شمس الافاضل کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد ۲۰/ستمبر ۱۹۹۹ء کو دمشق کا سفر کیا اور وہاں کے مشہور مدرسہ حوزہ علمیہ زینبیہ السیدہ زینبؑ میں داخلہ لیا جہاں تقریبا ایک سال تک عربی زبان سیکھی اور پھر درجہ ''الصف الرابع'' میں داخلہ ہوا اور باقاعدہ پڑھائی کا آغاز ہوا۔آپ نے دمشق میں بارہ سال تک تعلیم حاصل کی اور دروس خارج میں بھی شرکت کرتے رہے۔آپ نے اپنے تعلیمی دورے میں استاد شیخ جواد سعیدی افغانی اور دمشق میں موجود دیگر جید علماء سے کسب فیض کیا۔ ۲۰۱۲ء میں سیریا کے حالات خراب ہوجانے کی وجہ سے آپ ۷/جون ۲۰۱۲ء کو سیریا ترک کر کے ہندوستان واپس آگئے اور کچھ دنوں میرٹھ اور لوہیا نگر میں دینی خدمات انجام دیتے رہے اور آجکل بستی میں موجود مدرسہ شیعہ امامیہ حسین آباد میں بحیثیت مدرس دینی امور انجام دے رہے ہیں۔مولانا موصوف نے ابھی تک ''تقوی'' اور ''علم'' نام سے دو مضمون تحریر کیے ہیں جو سیریا میں چھپنے والے ''زینب کبری'' نامی ایک رسالہ میں شائع ہو چکے ہیں[1]۔آپ ایک اچھے خطیب بھی ہیں لہذا ہندوستان کے مختلف علاقوں میں مجالس و

---

[1]۔ مولانا موصوف نے یہ ساری معلومات ۱۰/۹/۲۰۱۴ء کو خود ہی تحریر کر کے راقم الحروف کو ارسال کی تھی۔

محافل کو خطاب کرنے بھی جایا کرتے ہیں۔

مولانا محمد معظم جاوید حیدری

محمد معظم جاوید حیدری ابن مولانا خیرات الحسنین، یکم جولائی ۱۹۷۹ء کو ایک علمی اور مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں والد کے ساتھ ایران رہے تو وہاں کے سرکاری اسکول میں ایک یا دو سال ابتدائی تعلیم حاصل کی، وہاں کی زبان فارسی ہونے کی وجہ سے دوران طفولیت میں ہی فارسی پر اچھا عبور حاصل کر لیا تھا، جب والد گرامی مع خانوادہ، ہندوستان لوٹے تو موصوف کچھ وقت پورہ معروف میں اہلسنت کے ایک مدرسہ میں زیر تعلیم رہے جہاں مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ ہندی، ریاضیات، ابتدائی سائنس اور انگریزی وغیرہ بھی پڑھائی جاتی تھی۔ اس وقت پورہ معروف کے شیعہ مکتب میں مولانا دلبر حسنین مدرس تھے، لہذا والد کے کہنے پر آپ نے ان کے پاس نحو میر اور میزان الصرف پڑھنا شروع کیا، پھر اپنے والد کے ساتھ مدرسہ باب العلم مبارکپور چلے گئے، اس وقت آپ کے والد وہاں مدرس تھے، مدرسہ باب العلم مبارکپور میں فاضل کے درجے تک پڑھنے کے بعد والد کی فرمائش پر جامعہ جوادیہ بنارس چلے گئے۔ حسن اتفاق یہ کہ جامعہ جوادیہ جانے کے چند ماہ بعد والد گرامی کو اسی مدرسہ میں تدریس کے لیے بلایا گیا اور اس طرح دوبارہ والد کے زیر نظر تربیت پانے کا موقع ملا۔

زمانۂ تحصیل میں جیسے کہ وہ ذہانت، عالی دماغی اور فہم وفراست میں معروف ومشہور ہیں، ویسے ہی نیکی اور خدا پرستی میں بھی زبان زد اہلِ فضل وکمال ہیں، اس بات کو سب لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ مولانا موصوف اپنے متعدد صفات اور علوم کی وجہ سے اِس علاقے میں بے مثل ہیں، ان کی علمیت کا یہ عالم ہے کہ الٰہی علوم کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم پر دسترسی حاصل کی ہے، سائنس (حیاتیات) سے انٹر اور نباتیات، حیوانیات اور کیمسٹری کے مضمون سے بی۔ ایس سی۔ کیا ہے، اور یہ علوم براہ راست طب جدید سے تعلق رکھتے ہیں، انھیں جدید میڈیکل سائنس سے اتنا لگاؤ ہے کہ اپنے ذاتی مطالعہ کی بنیاد پر بہترین معالج بنے لیکن اسے بطور پیشہ اختیار نہیں کیا، طب جدید میں کئی کتابیں تصنیف فرمائیں جن کا ذکر آگے کیا جائے گا۔ نیکی اور سادہ مزاجی میں بھی مشہور ہیں، درحقیقت فرشتہ سیرت اور ملکوتی خصلت کے مالک ہیں۔ موصوف کے مزاج

میں استغنا اور عجز و انکسار اس درجے ہے کہ علماء کی مخصوص وضع جُبّہ و دستار وغیرہ کا کبھی استعمال نہیں کرتے، تعظیم سے بہت گھبراتے ہیں، فرمایا کرتے ہیں کہ ''علم نے خراب کیا ورنہ اپنی وضع کو ایسی خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا''۔جن امور میں نمایاں ہونے کا موقع ہوتا اُس سے عموماً گھبراتے ہیں۔

مولانا کا شمار اساتذۂ وقت میں ہوتا ہے، چند سال مدرسہ جعفریہ کوپا گنج میں مدرس رہے ہیں اور ان کے پڑھائے ہوئے کئی طلاب قم اور نجف کے حوزات میں علم دین حاصل کر رہے ہیں۔ جب مولانا جامعہ جوادیہ بنارس میں زیر تعلیم تھے تو اکثر مولانا ضمیر الحسن اپنے بعض دروس کی تدریس مولانا کے سپرد کر دیتے تھے۔تصنیف و تالیف اور مطب و معالجہ کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی ہے۔آپ کے ایک شاگرد دِرشید کا بیان ہے کہ ''معالجات میں مولانا کی معلومات بہت ہی وسیع ہیں اور اعلیٰ درجہ کی کتابوں کے مطالب از بر ہیں، کتابیں بھی لکھی ہیں، قم میں اکثر اردو زبان بولنے والے مریض حضرات علاج کے لئے ان کی طرف رجوع کرتے ہیں، ڈاکٹری اصطلاحات پر پورا تسلط حاصل ہے اور انگریزی بولتے ہیں۔

مولانا کو مطالعہ اور کتب بینی کا شوق بچپن ہی سے تھا، خاص طور پر طِبّی کتب سے دلچسپی کا یہ حال ہے کہ آپ جدید طبی کتب کی تلاش میں ہمہ وقت سرگرداں رہتے ہیں، میڈیکل سائنس کے مطالعہ کے لئے کمپیوٹر بھی استعمال کرتے ہیں، آپ ایک اچھے اردوداں، بہترین ماہر اقتصادیات اور علوم جدیدہ کے مالک ہیں، المصطفی انٹرنیشنل یونیورسٹی قم میں اسلامی اقتصادیات میں پوسٹ گریجویشن کرنے کے بعد اسی شعبے میں ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں۔ المصطفی انٹرنیشنل یونیورسٹی کے علاوہ حوزۂ علمیہ قم میں آیت اللہ جواد فاضل لنکرانی اور آیت اللہ محسن فقیہی مدظلہما کے درس میں شرکت فرماتے ہیں۔شوقِ مطالعہ اور ذوقِ جستجو نے علمِ طِب میں مہارت عطا کی ہے۔مولانا نے اپنی زندگی کے بیش بہا اوقات میں سے ایک معتدبہ حصہ مختلف اِداروں، جامعات و کالجوں، سوسائٹیوں اور فلاحی تنظیموں کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا ہے، چند سال قبل مدرسہ جعفریہ کوپا گنج میں تدریس کے ساتھ ساتھ قرآن و عترت فاؤنڈیشن کی جانب سے جامعۃ المعصومہ چھپرا بہار کا درسی نظام مرتب کرنے پر مامور کئے گئے، نیز اس فاؤنڈیشن میں اور اس کے علاوہ ''اندیشکدہ پاکستان''، ''غدیر مشن'' اور ''ابوطالب اسلامک انسٹیٹیوٹ لاہور'' وغیرہ جیسے اداروں میں تحقیقی امور کی انجام

دہی میں مصروف رہتے ہیں[1]۔

تالیفات

موصوف کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ تصانیف اور ترجمے مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ بلڈ پریشر میڈیکل گائیڈ

۲۔ آج کی میڈیکل پریکٹس

۳۔ اردو معالجاتی اشاریہ

۴۔ ایلو پیتھک میٹیریا میڈیکا حصہ اول و دوم

۵۔ آج کی کلینیکل پیتھالوجی

۶۔ کلیات علم طب (ماڈرن میڈیسین)

۷۔ تشریح البدن اور فعلیات

۸۔ ازالہ شبہہ در عقائد

۹۔ فقہ اخلاق اور احکام خمسہ

۱۰۔ خلاصہ ینابیع المودۃ (گروہی ترجمہ)

۱۱۔ ترجمۂ الزواج الموقت عند الصحابہ والتابعین، تالیف شیخ نجم الدین طبسی، ناشر ابوطالب انٹرنیشنل اسلامک انسٹی ٹیوٹ لاہور، پاکستان ۲۰۱۴ء

۱۲۔ تحقیق در راہ دین

[1]۔ مولانا موصوف اور ان کے دوستوں سے لی گئی معلومات ۲۰۱۵ء

مولانا محمد مہدی معروفی

مولانا محمد مہدی ابن ناصر حسین مرحوم ۱۹۷۹ء کو محلہ حسین آباد میں پیدا ہوئے۔ بستی کے مدرسہ امامیہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہندوستان کے مختلف مدارس میں تعلیمی سلسلہ جاری رکھا اور اعلی تعلیم کے لئے شام کا سفر کیا جہاں طویل مدت تک تعلیمی سلسلہ جاری رہا لیکن شام کے حالات خراب ہونے کی وجہ سے نجف اشرف تشریف لے گئے جہاں سالوں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہندوستان تشریف لائے اور موجودہ وقت میں ہندوستان میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مولانا ایک اچھے مقرر اور ناظم محافل بھی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ شعر و شاعری سے بھی شغف رکھتے ہیں جس کے سلسلے میں آپ ہندوستان اور دوسرے ممالک کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا ہے اور اس طرح دین کی خدمت میں مصروف ہیں[1]۔

۲۰۱۵ء میں مولانا موصوف نے محلہ حسین آباد میں ''جامعہ مصباح الہدی'' نام کے ایک مدرسہ کی تاسیس کی ہے جو بحسن و خوبی چل رہا ہے اور مولانا موصوف خود بھی درس دیتے ہیں۔

مولانا محمد اسلم معروفی

مولانا محمد اسلم ابن افتخار حسین مرحوم، ۱۳ / رجب ۱۴۰۰ھ میں محلہ بانسہ میں پیدا ہوئے بعد میں آپ کے والد مرحوم اپنے اہل و عیال کے ساتھ محلہ حسین آباد میں ساکن ہوگئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ اور مدرسہ احیاء العلوم میں حاصل کرنے کے بعد ۱۴۱۴ھ میں مدرسہ باب العلم مبارکپور کے درجہ ششم میں داخلہ لیا اور یہاں پر آپ کا تعلیمی سلسلہ درجہ عالم تک چلتا رہا۔ مدرسہ کے اندرونی حالات نامساعد ہونے کے سبب، آپ نے بمبئی جانے کا ارادہ کیا اور وہاں جا کر گونڈی میں موجود مدرسہ نور الہدی میں داخلہ لیا جہاں دو سال تک تعلیم کا سلسلہ جاری رہا اس کے بعد وہیں سے ایرانی امتحان میں کامیابی حاصل کی اور ۱۴۲۴ھ میں ایران تشریف لے گئے۔ ہندوستان کے مدرسوں میں رہکر آپ نے الہ آباد بورڈ سے منشی،

---

[1]۔ مولانا سے خط و کتابت کے ذریعہ لی گئی معلومات ۲۰۱۵ء

مولوی، کامل کی ڈگریاں حاصل کیں اوراسی طرح علیگڑھ بورڈ سے بھی ادیب، ادیب ماہراورادیب کامل کی ڈگریاں حاصل کی۔

جب آپ ۱۴۲۴ھ میں قم تشریف لے گئے تو مقدماتی دروس مدرسہ ''مومنیہ'' اور ''مرعشیہ'' میں پڑھا اس کے بعد وہاں کے ایک مشہور مدرسہ ''حجتیہ'' سے فقہ واصول کے موضوع میں بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ پھر دوسال کے لئے ہندوستان کے مدارس میں تدریس کے لئے بھیجے گئے دوسال کی ماموریت مکمل ہونے کے بعد ایران واپس گئے اور وہاں کے مدرسہ امام خمینی میں اہل بیت شناسی کے موضوع پر ایم۔ اے۔ میں داخلہ لیا جہاں ابھی مصروف تعلیم ہیں۔ آپ نے اپنے تعلیمی سفر میں مولوی اقبال مہدی، مولانا دلبر حسنین، مولانا ارشاد حسین، مولانا منظور حسین اور مولانا ڈاکٹر رفیعی وغیرے جیسے استادوں سے کسب فیض کیا ہے۔

تدریسی وثقافتی خدمات

مولانا موصوف کے ثقافتی اور تدریسی امور کو تاریخی ادوار میں بیان کیا جاسکتا ہے: ۱۴۲۲ھ میں آپ نے مصطفیٰ آباد غازیپور میں دوسال متواتر ماہ رمضان میں امام جماعت کے فرائض انجام دیئے اور ایام محرم میں شاہ رضا، ماہل میں مجالس عشرہ پڑھی۔ ۱۴۲۴ھ میں ماہل کے قریب ایک بستی مکھاپور میں مجالس عشرہ پڑھی۔ ۱۴۲۷ھ میں پورہ معروف میں محلہ حسین آباد میں واقع امامباڑہ حسینی میں محرم کے عشرے کو خطاب کیا۔ ۱۴۳۴ھ کے رمضان میں املو مبارکپور میں دینی خدمات انجام دیں۔ ۱۴۳۱ھ سے لیکر ۱۴۳۳ھ تک مدرسہ رسول اعظم کامٹی ناگپور میں تدریس کے فرائض انجام دیئے جہاں امام جماعت بھی رہے۔ اس کے علاوہ وہاں مجالس ومحافل بھی خطاب کرتے رہے ہیں[1]۔ آپ ایک اچھے عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے خطیب اور شاعر بھی ہیں اور خوبصورت لب ولہجہ کے مالک بھی۔

تالیفات

مولانا موصوف اپنی تعلیم کے دوران تحقیقی کام بھی انجام دیتے رہے ہیں جن میں سے بعض

۱۔ مولانا سے معلوم کی گئی معلومات۔ ۱۰/۶/۲۰۱۴ء

ہندوستان کے مذہبی رسالوں میں چھپ چکے ہیں اور بعض ابھی تک شایع نہیں ہوئے ہیں، بہر حال آپ کے تحقیقی مضامین مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اتحاد بین المسلمین کے بارے میں کتابوں کا تعارف ۲۔ شرائط مستحقین خمس وزکات ۳۔ طہارت انسان ۴۔ آثار منع تدوین حدیث ۵۔ تعلیم دین کی راہ وروش سیرت اہل بیت کے آیئنہ میں۔

مولانا عقیل عباس معروفی

مولانا عقیل عباس ابن مظاہر حیدر مرحوم محلہ بلوہ کے علمی خانوادہ میں یکم اپریل ۱۹۸۰ء پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ کے مدرسہ جامعہ امامیہ تنظیم المکاتب ۱۹۹۳ء میں داخلہ لیا جہاں عربی، فارسی، نحو وصرف، منطق وفلسفہ، قرآن وحدیث اور تاریخ وغیرہ جیسے دروس پڑھے اور ۲۰۰۲ء تک تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ وہاں سے فراغت کے بعد فروری ۲۰۰۲ء میں تعلیم کو مزید آگے بڑھانے کے لیے ایران تشریف لے گئے جہاں آپ کا داخلہ ایران کے علمی شہر قم کے مدرسہ امام خمینی میں ہوا۔ اس مدرسہ میں دو سال تک آپ کا تعلیمی سلسلہ چلتا رہا دو سال کے بعد اسی شہر کے دوسرے مدرسہ ''حجتیہ'' جو ایران کا مشہور مدرسہ ہے، داخلہ لیا اور آج تک وہیں زیر تعلیم ہیں۔ آپ نے اپنی تعلیم کے دوران مولانا مختار مرحوم، مولانا منظر صادق، مولانا حمید الحسن، مولانا حیدر مہدی، اور ایران میں مولانا جواد عصاری، مولانا فریدی فر، مولانا باقری شاہرودی، مولانا حمید حائری، مولانا مفتون آزاد، رضا مختاری وغیرہ جیسے اساتذہ سے کسب فیض کیا ہے[۱]۔

مولانا موصوف ایک اچھے خطیب و ذاکر ہیں لکھنؤ میں اپنے تعلیمی سفر کے آغاز سے آج تک ہندوستان کے مختلف علاقوں میں رمضان اور محرم کے مہینوں میں دینی اور مذہبی خدمات انجام دیتے آئے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ ایک زبردست اور ماہر استاد بھی ہیں۔ مولانا محمد حسن معروفی کی سرپرستی میں شہر قم

۱۔ مولانا عقیل عباس معروفی سے معلوم کی گئی اطلاعات، ۲۲/۳/۲۰۱۴ء

میں مقیم طالب علموں کے درس ومباحثہ کے لیے ''مرکز معارف اسلامی ہند'' نام کا ایک علمی ادارہ قائم کیا گیا ہے جس نظارت آپ ہی کے ہاتھوں میں ہے اور اس ادارہ میں اسلام کے مختلف موضوعات کا درس دیا جاتا ہے۔آپ خود بھی وہاں نحو وصرف، منطق اور اصول فقہ جیسے موضوعات کا درس دیتے ہیں۔مولانا موصوف نے تعلیمی سفر کے دوران اردو اور فارسی میں مختلف مضامین اور تحقیقات بھی تحریر کیے ہیں جن میں ''ہمزیستی با کفار ومشرکین'' اور ''علم رجال پر ایک نظر'' قابل ذکر ہیں۔

مولانا مجتبیٰ حیدر

مولانا مجتبیٰ حیدر ابن مکرم عباس مرحوم، ۲۶ / اگست ۱۹۸۱ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مکتب امامیہ میں حاصل کرنے کے بعد مدرسہ باب العلم مبارکپور گئے جہاں درجہ ششم میں داخلہ ہوا اور وہاں پر تقریباً چار سال عربی، فارسی، نحو وصرف، فقہ واصول وغیرہ کی تعلیم حاصل کی اور پھر ۱۹۹۸ء میں بمبئی کے مدرسہ نور الہدیٰ میں داخلہ لیا اور اپنی دینی تعلیم کو جاری رکھنے کے لیے ۲۰۰۲ء میں ایران تشریف لے گئے جہاں جامعۃ المصطفی انٹرنیشنل یونیورسٹی قم میں تعلیم وتحصیل میں مشغول ہوگئے اور فی الحال فقہ ومعارف اسلامی اور کلام کے موضوع پر جستجو اور تحقیق میں مشغول ہیں۔آپ نے اپنے تعلیمی دورے میں مختلف اساتذہ جیسے جناب اقبال مہدی، مولانا دلبر حسنین، مولانا ارشاد حسین، مولانا منظور حسنین کوپاگنجی، جناب شہمیری، آیت اللہ باکویی وعبد المجید نمازی وآقائے لطیفی وغیرہ سے کسب علم کیا ہے۔انہوں نے تعلیمی مشغولیت کے دوران ہی ایک سال کے لیے مدرسہ امام صادق علیہ السلام، واشی بمبئی اور ایک سال مدرسہ امام حسین علیہ السلام، چھپرا، بہار میں تدریس کے فرائض انجام دیئے ہیں اور اس کے علاوہ ماہ محرم اور ماہ رمضان میں شاہ دیویت، شمش پور اعظم گڑھ وغیرہ جیسے علاقوں میں تبلغی فرائض انجام دیئے ہیں۔

تحقیقی میدان میں بھی آپ نے کام کیا ہے اور آج بھی مشغول ہیں آپ نے اپنے بی۔اے میں ''بررسی سندی وشرح وتفسیر حدیث ۷۳ فرقہ'' تحقیقی مقالہ لکھا اور ایم۔اے میں آیت اللہ باکویی کی کتاب ''ظہور نور'' کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے یہ کتاب امام زمانہ علیہ السلام کے متعلق ہے۔ان تحقیقی

کاموں کے علاوہ ۔ا۔ اہمیت روزہ، ۲۔ اسباب جاودانی عاشورہ، ماہنامہ سلونی قم، ۳۔صلح حسن، ماہنامہ سلونی قم، ۴۔آداب تلاوت قرآن وغیرہ جیسے مضامین مختلف رسالوں میں شایع ہو چکے ہیں[1]۔

مولانا محمد وصی اختر

مولانا محمد وصی اختر ابن دلبر حسنین مرحوم، پورہ معروف کے محلہ پرانا پورہ میں ۷ / جولائی ۱۹۸۰ء کو پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنے دادا سے قرآن مجید اور اردو، فارسی کی چند ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مدرسہ امامیہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور درجہ پنجم پاس کرنے کے بعد دینی تعلیم کو جاری رکھنے کے لئے ۱۹۹۸ء میں مدینۃ العلوم جامعہ حیدریہ خیرآباد میں داخلہ لیا جہاں ۲۰۰۰ء تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ ایمانیہ بنارس میں داخلہ لیا اور کچھ مدت کے بعد مدرسہ سلطان المدارس لکھنؤ میں داخلہ لیا اور وہاں سے ۲۰۰۶ء میں صدرالافاضل کی ڈگری حاصل کی۔ موصوف نے اپنے اس تعلیمی سفر میں مختلف استادوں مولوی اقبال مہدی، مولانا دلبر حسنین، مولانا ناظم علی، مولانا خیرات الحسنین، مولانا محمد علی صفوی مرحوم، مولانا سید محمد مرحوم، مولانا باقر ہنسوی، مولانا ظفر الحسینی، مولانا مولانا شفیق حسین، مولانا سید بیدار حسین، مولانا غضنفر نواب معروفی، مولانا سید اصغر حسین، مولانا سید محمد صادق رضوی وغیرہ سے کسب علم کیا ہے۔

مدرسہ سلطان المدارس میں تعلیم کے دوران ہی منشی، مولوی، عالم وفاضل کے امتحانات دینے کے ساتھ ساتھ لکھنؤ یونیورسٹی سے اردو ادب کے موضوع پر بی۔اے اور ایم۔اے بھی کیا ہے۔ مدرسہ سلطان المدارس سے فراغت کے بعد آپ اخبار وصحافت کی دنیا میں چلے گئے اور لکھنؤ سے چھپنے والے اردو کے متعدد اخبار جیسے ''ان دنوں'' ''آگ'' میں کافی دنوں تک کام کرتے رہے۔ آج کل ''روزنامہ اودھ'' اور لکھنؤ سے شائع ہونے والا مذہبی رسالہ ماہنامہ ''اصلاح'' میں کام کر رہے ہیں۔ آپ کو شعروشاعری سے بھی شغف رہا ہے لہذا کئی قصیدے اور نوحے کہے ہیں[2]۔

---

[1]۔ مولانا موصوف سے ۲۰ مارچ ۲۰۱۵ء کو لیا گیا انٹرویو

[2]۔ مولانا موصوف سے لی گئی معلومات ۲۰۱۵ء

مولانا شمیم حیدر

شمیم حیدر ابن جناب ضمیر حسین، ۱۴ / مارچ ۱۹۸۰ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ میں حاصل کرنے کے بعد جامعہ حیدریہ خیرآباد میں تین سال اور پھر پانچ سالوں تک مدرسہ ایمانیہ بنارس میں تعلیم حاصل کی جہاں عربی، فارسی، نحو وصرف، منطق و فلسفہ، فقہ و اصول، قرآن و حدیث کی تعلیم مولانا خیرات الحسنین، محمد علی صفوی مرحوم، مولانا ناظم علی خیرآبادی، مولانا محمد مہدی، مولانا افضل حسین معصومی، مولانا ہادی حسن فیضی، مولانا احمد حسن مرحوم، مولانا ظفر الحسینی، مولانا اخلاق حسین، مولانا غلام حسین، مولانا حسن رضا کریمی، مولانا محمد باقر، مولانا قیصر خان وغیرہ جیسے اساتذہ سے کسب فیض کرنے کے بعد تعلیمی سلسلہ کو مزید آگے بڑھانے کے لیے شام کا سفر کیا اور وہاں پر حوزۂ اہل البیت علیہم السلام، حوزۂ امام حسین علیہ السلام اور حوزۂ امام خمینی جیسے معروف مدارس میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے مولانا شیخ جواد، مولانا شیخ پرہیزگاری، مولانا قاسم آخوند، آیت اللہ شیخ سلطان، مولانا مسلم رضائی وغیرہ جیسے اساتذہ سے استفادہ کیا اور پھر ۲۰۱۲ء میں ہندوستان تشریف لے آئے اور ہندوستان کی مختلف جگہوں پر تبلیغ و تدریس میں مشغول ہو گئے، تقریباً تین سال سے مدرسہ جامعہ رسول، کامٹی میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں[1]۔

مولانا افتخار حسن

مولانا افتخار حسن ابن نوازش رضا مرحوم، ۸ جنوری ۱۹۸۲ء، کو پاگنج میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ جعفریہ کوپاگنج میں حاصل کی اور پھر جامعہ حیدریہ خیرآباد میں داخلہ لیا جہاں ۱۹۹۵-۱۹۹۷ء تک پڑھائی کا سلسلہ چلتا رہا لیکن دو سال بعد ۱۹۹۷ء میں آپ نے جامعہ علویہ بنارس میں داخلہ لے لیا اور جہاں ۲۰۰۰ء تک مشغول تعلیم رہنے کے بعد حوزۃ المرتضی حیدرآباد چلے گئے جہاں تین سال تک تعلیم حاصل کی اور پھر اس کے بعد تبلیغ و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ آپ کے اساتذہ میں مولوی نور الحق، مولانا فرقان

[1]۔ مولانا موصوف سے لی گئی معلومات ۲۰۱۶ء

حیدر، مولانا عطا حسین نجفی مرحوم، مولانا ناظم علی خیر آبادی، مولانا محمد رضا اور مولانا رضوان حیدر رضوی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ آپ کے والد دراصل کوپاگنج کے رہنے والے ہیں اور لیکن نقل مکانی کر کے پورہ معروف میں آکر بس گئے تھے۔ مولانا موصوف نے اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ پورہ معروف ہی میں گذارا ہے۔

مولانا موصوف تعلیم مکمل کرنے کے بعد دینی خدمات میں مصروف ہوگئے اور سب سے پہلے ۲۰۰۳ء سے لے کر ۲۰۰۵ء تک آپ نے پورہ معروف کے مدرسہ امامیہ میں تدریس کے فرائض انجام دیئے، پھر ۲۰۰۵ء تا ۲۰۰۷ء مدرسہ باب العلم میں اور ۲۰۰۷ء تا ۲۰۰۹ء زنگی پور میں درسی و دینی خدمات انجام دیتے رہے۔ اسی دوران آپ کی شادی ہوگئی جس کے بعد آپ نے احمد آباد گجرات کا رخ کیا لیکن والد کے انتقال کی وجہ سے وہاں سے جلد ہی واپس آگئے اور پھر ۲۰۱۱ء تا ۲۰۱۲ء لکھنؤ کے پاس ''متئی'' نامی گاؤں میں تبلیغی خدمات انجام دیئے اور درحال حاضر چنئی مدراس میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ وہاں کے شیعہ قاضی چیف کے نائب کی حیثیت سے بھی امور انجام دے رہے ہیں[1]۔ مولانا موصوف ایک مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین لب ولہجہ کے نوحہ خوان اور قصیدہ خواں بھی ہیں۔

مولانا محمد ظفر حسین

محمد ظفر حسین ابن جناب ظہور مہدی، ۳ جولائی ۱۹۸۲ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ میں حاصل کی جہاں مولانا دلبر حسنین اور مولانا مظفر محسن وغیرہ جیسے اساتذہ سے کسب علم کرنے کے بعد مدرسہ باب العلم میں داخلہ لیا اور عربی، فارسی، نحو، صرف، منطق، مسائل وغیرہ سے متعلق کتابیں پڑھیں اور آٹھ سال تک یہ تعلیمی سلسلہ چلتا رہا جہاں مولانا ارشاد حسین، مولانا صادق حسین، ماسٹر قاسم غازیپوری وغیرہ سے

---

[1]۔ مولانا موصوف سے ۲۷/ دسمبر ۲۰۱۵ء کو ایمیل کے ذریعہ لی گئی معلومات

کسب فیض کرتے رہے۔ پھر تعلیم کو مزید آگے بڑھانے کے لیے ۱۹۹۹ء میں بمبئی کے مدرسہ ''نورالہدی'' اوراس کے بعد'' جامعہ مرتضویہ'' میں تعلیم حاصل کی اور مولانا سید علی عباس، مولانا یوسف اعظمی، مولانا زوار ہلوری وغیرہ سے کسب علم کیا۔

مولانا موصوف دینی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اسی مدرسہ مرتضویہ میں تقریبا سات سال تک تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ اردو اخبار وصحافت سے بھی جڑے رہے، بمبئی سے چھپنے والا اخبار'' اردو ٹائمز، بمبئی'' میں تقریبا دو سال تک کام کیا اور'' پیام عصر'' نامی سہ ماہی مجلہ میں اداریہ بھی لکھتے رہے، جس میں آپ کے متعدد مضامین بھی شائع ہو چکے ہیں۔ آپ نے ۲۰۱۲ء میں بمبئی چھوڑ دیا اور پھر ٹانڈہ ضلع امبیڈکر نگر میں تبلیغ و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور ڈیڑھ سال کے بعد حوزہ علمیہ'' بقیۃ اللہ'' جلالپور میں بحیثیت استاد منتخب ہوئے لیکن وہیں سے آپ کو ایران جانے کا موقع ملا جس کے نتیجہ میں آپ نے ایران کا سفر کیا جہاں آقائے قاسمی، آقائے مفتون آزاد، آقائے بہجتی، آقائے اشکوری وغیرہ جیسے اساتذہ سے کسب علم کرنے کے بعد ہندوستان تشریف لائے اور دوبارہ مدرسہ بقیۃ اللہ جلالپور میں تدریس کے فرائض انجام دینے لگے یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ آپ امام جماعت اور خطابت کے سلسلہ سے ہندوستان کے مختلف علاقوں کا سفر کرتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ شعر و شاعری اور مضمون نگاری کا بھی شغف رکھتے ہیں چنانچہ مجلہ'' پیام عصر'' میں مندرجہ ذیل عنوان کے مضامین شائع ہو کر مقبول عام و خاص ہو چکے ہیں: ۱۔ مال تجارت میں حضرت علی علیہ السلام کا کردار ۲۔ دنیا حضرت علی علیہ السلام کی نظر میں ۳۔ بیت المال پہ تسلط ۴۔ عید وغیرہ[۱]۔

مولانا نفیس اختر

مولانا نفیس اختر ابن ناصر رضی مرحوم، ۲۸/ جنوری ۱۹۸۲ء کو محلہ پرانا پورہ کے ایک مذہبی گھرانے

۱۔ مولانا موصوف سے لی گئی معلومات ۲۰۱۶ء

میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ ضیاء العلوم میں حاصل کرنے کے بعد ۱۹۹۴ء میں جامعہ حیدریہ خیرآباد داخلہ لیا جہاں عربی، فارسی، اصول فقہ، منطق، فلسفہ کی تعلیم حاصل کی اور مولانا ناظم علی خیرآبادی، مولانا محمد علی صفوی، مولانا خیرات الحسنین، مولانا محمد مہدی، مولانا افضل حسین معصومی، مولانا ہادی حسن فیضی، مولانا اصغر اعجاز، مولانا سید صبیح الحسن، مولانا شبیہ الحسن معروفی، مولانا جعفر حسین سمندپوری وغیرہ جیسے جید علماء سے کسب علم کیا اور ۲۰۰۲ء کو دینی تعلیم جاری رکھنے کی غرض سے سیریا کا سفر کیا اور وہاں کے مشہور مدرسہ حوزہ زینبیہ میں داخلہ لیا اور مولانا جواد سعیدی سے رسائل پڑھی، مولانا قاسم آخوند سے فلسفہ، جناب محسن رضائی سے منطق پڑھی اور جناب سید رضوی سے کفایہ اور جناب نجاح نوینی سے مکاسب محرمہ پڑھی اور درس خارج میں شرکت کر کے آیت اللہ سلطان فاضل، آیت اللہ مجتبیٰ حسینی وغیرہ سے کسب فیض کیا ہے۔ لیکن سیریا کے حالات ناسازگار ہونے کی وجہ سے ہندوستان تشریف لائے اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تبلیغ و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور اس سلسلہ میں آپ نے برہانپور، کاندی پور ضلع اکبرپور میں دینی خدمات انجام دیئے ہیں۔ تین سالوں سے مدرسہ عقیلیہ بنی ہاشم لکھنؤ میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں[۱]۔ آپ کا شمار محنتی اور ذہین طالب علموں میں ہوتا رہا ہے اور اسی طرح ایک قابل اور باصلاحیت استاد بھی ہیں جنہیں عربی، فارسی، انگریزی زبانوں پر عبور بھی حاصل ہے۔

مولانا میثم علی

مولانا میثم علی ابن ضامن علی مرحوم محلہ حسین آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ میں حاصل کرنے کے بعد جامعہ حیدریہ خیرآباد میں داخلہ لیا جہاں مولانا ناظم علی خیرآبادی، مولانا خیرات الحسنین، مولانا محمد علی صفوی مرحوم وغیرہ سے کسب علم کیا۔ وہاں چند سالوں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ ایمانیہ بنارس چلے گئے جہاں مولانا سید محمد حسینی، مولانا سید حسن اکبر نجفی اور مولانا سید محمد اطہر وغیرہ سے استفادہ کیا

۱۔ مولانا موصوف سے لی گئی معلومات ۱۰/۱۰/۲۰۱۵ء

اور مدرسہ ایمانیہ سے فراغت کے بعد دینی تعلیم کو جاری رکھنے کے لئے آپ نے دمشق کا سفر کیا اور وہاں کے مشہور مدرسہ حوزہ علمیہ زینبیہ میں داخلہ لیا جہاں ۲۰۱۲ء تک مصروف تعلیم رہے۔ سیریا کے حالات خراب ہونے کی وجہ سے ہندوستان واپس آکر ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تبلیغ کی۔ اس کے بعد چند مہینوں مدرسہ عقیلہ بنی ہاشم لکھنؤ میں تدریس کے فرائض انجام دینے کے بعد آپ کو نجف اشرف جانے کا موقع فراہم ہوا اور آپ عازم عراق ہو گئے جہاں ابھی تک مصروف تعلیم ہیں[1]۔

مولانا نعیم اکبر مرحوم

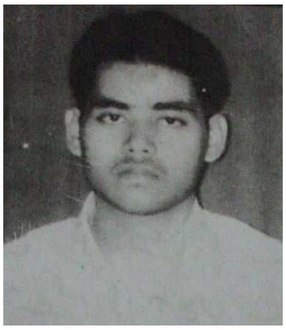

مولانا نعیم اکبر ابن ناصر رضی مرحوم محلہ پرانا پورہ میں یکم فروری ۱۹۸۴ء کو پیدا ہوئے، آپ اپنے بھائی اور بہنوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ بچپن ہی میں ماں باپ کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا تھا، اس کے بعد ان کے بڑے بھائیوں نے انہیں ماں باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ پورہ معروف کے مکتب میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد، ماں کی خواہش کی مطابق آپ کے بھائیوں نے علم دین حاصل کرنے کے لیے جامعہ حیدریہ خیرآباد میں بھیج دیا جہاں تقریبا چھ سال رہکر مولانا ناظم علی خیرآبادی، مولانا محمد علی صفوی مرحوم، مولانا خیرات الحسنین، مولانا محمد مہدی، مولانا افضل حسین معصومی، مولانا صبیح الحسن وغیرہ جیسے فاضل استادوں سے کسب علم کیا۔ پھر دینی تعلیمات کو مزید آگے بڑھانے کے لیے آپ نے ۲۰۰۱ء میں لکھنؤ کے مدرسہ سلطان المدارس میں داخلہ لیا جہاں مولانا سید بیدار حسین، مولانا شفیق حسین، مولانا سید محمد اصغر، مولانا سید محمد صادق، مولانا علی قاسم رضوی ان وغیرہ سے کسب فیض کیا اور آپ درجہ سندالافاضل ثانیہ میں تھے یعنی تعلیمی سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ اچانک ایک مہلک بیماری میں مبتلا ہو گئے اور تقریبا پانچ مہینہ تک صبر و حوصلہ کے ساتھ اس بیماری سے لڑتے رہے۔

---

[1]۔ یہ معلومات مولانا موصوف نے ہی ۱۰/ ۹/ ۲۰۱۴ء کو راقم الحروف کو لکھکر ارسال کی تھی۔

اور ۲۷/ مارچ ۲۰۰۴ء کی رات کو داعی اجل کو لبیک کہہ کر ہمیشہ کے لیے اس دنیا اور گھر والوں کو روتا چھوڑ کر چلے گئے[۱]۔ جناب ساجد زید پوری نے مرحوم کے انتقال پر قطعہ تاریخ نظم کیا ہے[۲]۔

وہ نوجوان، عزادار شاہ کرب و بلا   قضا کے آگے کسی کی نہیں مجال گیا
ابھی تو اس کا سفر، علم دیں کا جاری تھا   ادھوری چھوڑ کے وہ منزل کمال گیا

۲۰۰۴ء

مولانا محمد منیر اعظم مرحوم

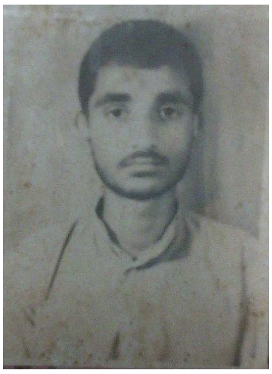

مولانا محمد منیر اعظم مرحوم ابن مولانا خیرات الحسنین، ۲۲/ اگست ۱۹۸۲ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گھر اور مدرسہ امامیہ میں حاصل کرنے کے بعد مدرسہ جعفریہ کوپاگنج میں داخلہ لیا جہاں آپ کی تعلیم کا سلسلہ ابھی جاری ہی تھا کہ کوپاگنج سے پورہ معروف کے راستہ میں ایک ناگہانی حادثہ نے آپ کی جان لے لی۔ آپ نے ۱۷/ جون ۲۰۰۰ء اس دارفانی کو الوداع کہا اور دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپ بہت ہی ذہین اور محنتی طالب علم تھے اور ہر امتحان میں پہلی پوزیشن لاتے تھے، لیکن افسوس کہ اس ابھرتے ہوئے روشن ستارے کو اجل نے اپنے دامن میں لے لیا اور آپ گھر والوں کو روتا، بلکتا چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گئے[۳]۔ مولانا موصوف کے گھر پر لگی ہوئی تصویر کے نیچے مندرجہ ذیل اشعار تحریر ہیں:

ہمیں یقیں ہے کہ اب لوٹ کر نہ آوگے   ہر ایک آنکھ کو تم اشک خوں رلاوگے
ابھی تو پھیل رہی تھی علوم کی تنویر   کسے گماں تھا چمکتے ہی ڈوب جاوگے

۱۔ احکام اموات ماخوذ از مفاتیح الجنان، نفیس الحسن، ص ۳-۴، ناشر نظامی پریس لکھنو، مئی ۲۰۰۴ء
۲۔ ایضا، ص ۳۱
۳۔ مولانا مرحوم کے گھر والوں سے لی گئی معلومات ۲۰۱۵ء

مولانا قنبر رضا

مولانا قنبر رضا ابن ڈاکٹر مہدی اصغر، ۱۱/ جون ۱۹۸۴ء کو محلہ پرانا پورا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ ضیاء العلوم میں حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ کے مدرسہ جامعۃ التبلیغ میں داخلہ لیا جہاں تقریبا تین سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہیں کے مشہور مدرسہ سلطان المدارس میں داخلہ لیا جہاں ۲۰۰۷ء میں صدرالافاضل کی ڈگری حاصل کی اور دینی و مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ الہ آباد بورڈ اور علی گڑھ بورڈ کا بھی امتحان دیتے رہے اور شیعہ کالج سے بی۔اے، لکھنؤ یونیورسٹی سے اردو میں ایم۔اے کی ڈگری بھی حاصل کی ہے۔

۲۰۰۹ء میں اعلی تعلیم کی غرض سے آپ نے ایران کا سفر کیا اور مشہد مقدس میں واقع المصطفی یونیورسٹی کے ایک شعبہ داخلہ لیا اور آج تک تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ آپ نے اپنے تعلیمی دورے میں مولانا تقی رضا، مولانا غلام مرتضی، مولانا شفیق حسین، مولانا سید محمد اصغر، مولانا سید بیدار حسین، مولانا خوشنود، مولانا سید محمد صادق، مولانا مرتضی نوروزی، مولانا محمد نوروزی، مولانا کرمی، مولانا اکبرزادہ وغیرہ کسب فیض کیا ہے[1]۔

مولانا فیضان عباس

مولانا فیضان عباس ابن مظاہر حیدر مرحوم، ۳/اگست ۱۹۸۴ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے بھی ابتدائی تعلیم پورہ معروف کے مدرسہ امامیہ میں حاصل کی اور وہاں سے پنجم کلاس پاس کرنے کے بعد، ۱۹۹۷ء میں مدرسہ جامعہ حیدریہ خیرآباد میں تعلیم حاصل کی جہاں مولانا ناظم علی خیرآبادی، مولانا خیرات الحسنین و مولانا محمد علی صفوی مرحوم وغیرہ سے کسب علم کیا۔ لیکن ۲۰۰۰ء میں وہاں کی تعلیم کو ترک کر دی اور لکھنؤ پڑھنے کا ارادہ کیا بنابراین ۲۰۰۱ء میں مدرسہ سلطان المدارس کے درجہ سندالافاضل میں داخلہ ہوا جہاں پر مولانا سید بیدار حسین، مولانا علی قاسم رضوی و مولانا سید محمد صادق رضوی جیسے اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ سلطان

---

[1]۔ مولانا موصوف سے لی گئی معلومات ۲۰۱۵ء

المدارس کی تعلیمات کے دوران ہی آپ نے الہ آباد بورڈ سے مولوی، عالم، فاضل کا امتحان بھی دیتے رہے اوراسی دوران شیعہ کالج سے بی،اے اورلکھنؤ یونیورسٹی سے اردو ادبیات کے موضوع پر ایم،اے بھی کیا۔ سلطان المدارس سے فراغت کے بعد ۲۰۱۰ء میں ایران چلے گئے جہاں المصطفی یونیورسٹی،مشہد میں داخلہ لیا یہاں بھی مولانا غلامپور،محمد نوروزی، جناب زہدی و جناب توکلی جیسے استادوں استفادہ کیا اور آج تک وہیں زیر تعلیم ہیں[1]۔ مولانا موصوف موقع بہ موقع ایران سے تشریف لاتے رہتے ہیں اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تبلیغی فرائض کی انجام دہی کے لیے جاتے رہتے ہیں۔ ۲۰۱۵ء میں جب آپ ایران سے تشریف لائے تو کچھ مہینوں کے لیے آپ نے مدرسہ عقیلہ بنی ہاشم لکھنؤ میں تدریس کے فرائض انجام دیئے ہیں پھر دوبارہ ایران واپس چلے گئے۔

مولانا مظاہر انور

مولانا مظاہر انور ابن ذاکر مجتبی معروف بہ انجم معروفی، یکم جنوری ۱۹۸۴ء کو پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ اور ضیاء العلوم میں حاصل کرنے کے بعد جامعہ حیدریہ خیرآباد میں داخلہ لیا جہاں عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور اس کے بعد جامعہ جوادیہ بنارس چلے گئے اور وہاں نجم الافاضل تک پڑھائی کرنے کے بعد تبلیغ وتدریس میں مشغول ہوگئے۔ ابتدائی تعلیم سے لیکر آخر تک آپ نے جن اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہے ان میں مولوی اقبال مہدی، ماسٹر ممتاز، ماسٹر ریاض الدین، مولانا ناظم علی خیرآبادی، مولانا صبیح الحسن، مولانا افضل حسین، مولانا ہادی حسن، مولانا محمد علی صفوی مرحوم، مولانا محمد مہدی، مولانا خیرات الحسنین، مولانا سید شمیم الحسن، مولانا سید ضمیر الحسن، مولانا مظاہر حسین، مولانا بدرالحسن، مولانا قیصر حسین، مولانا ذہین حیدر، مولانا سبط حیدر سمند پوری وغیرہ کے نام ہیں۔

آپ نے نجم الافاضل کرنے کے بعد بنارس ہی میں رسولپورہ گبو کے امامباڑہ میں چار سال تک

---

[1]۔ مولانا موصوف سے لی گئی اطلاعات۔ ۲۳/ ۳/ ۲۰۱۴ء

امامت اور تدریس کے فرائض انجام دیئے۔اس کے بعد بنارس ہی ایک مدرسہ علویہ میں تقریباً ڈیڑھ سال تک خدمات انجام دینے کے بعد الہ آباد بسونا میں دوسال اور سلوا ساتلا جا، گجرات میں پانچ سال تک دینی خدمات انجام دیتے رہے۔تقریباً دوسال سے قصبہ بگھرا مظفر نگر میں مشغول ومصروف ہیں[1]۔مولانا موصوف بڑے محنتی شخص ہیں اور ایک اچھے خطیب وذاکر ہیں۔ایام محرم میں ہندوستان کے مختلف علاقوں میں مجالس کو خطاب کرتے رہتے ہیں اور آپ کو شعروشاعری اور طبابت سے بھی لگاو ہے۔

مولانا محمد رضا

مولانا محمد رضا ابن غلام مہدی مرحوم، ۷/ مارچ ۱۹۸۴ء کو متولد ہوئے۔ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ میں حاصل کرنے کے بعد مولانا محمد علی صفوی کے قائم کردہ مدرسہ جامعۃ المرتضیٰ گھوسی میں تقریباً ایک سال پڑھائی کی اور پھر مدرسہ جعفریہ کوپا گنج میں داخلہ لیا جہاں دوسال تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایک سال حوزہ علمیہ باقر العلوم علی پور اور تین سال مدرسہ باب العلم مبارکپور میں تعلیم حاصل کرتے رہے اور اس دوران مولانا محمد علی صفوی مرحوم، مولانا خیرات الحسنین، مولانا علی عباس، مولانا ارشاد حسین اور مولانا افضل حسین معصومی وغیرہ سے کسب فیض کرتے رہے۔

۲۰۰۵ء میں دینی تعلیم کو جاری رکھنے کے لیے آپ نے ایران کا سفر کیا اور ایران کے شہر قم المقدسہ کی مشہور یونیورسٹی جامعۃ المصطفیٰ میں داخلہ لیا جہاں آج تک تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہیں اور موقع بہ موقع دینی تبلیغات اور تدریس کے سلسلہ سے ہندوستان کا سفر کرتے رہتے ہیں۔انہوں نے دوسال تک گجرات کے ڈھولکا نامی جگہ پر ایک سال احمد آباد میں تبلیغی فرائض انجام دیئے ہیں اور اسی طرح جامعۃ المصطفیٰ کی جانب سے دوسالہ تدریس کے لیے حوزہ علمیہ آیۃ اللہ خامنہ ای، بھیک پور سیوان، بہار بھیجے گئے تھے جہاں پر آپ نے طالب علموں کو نحو، صرف، فلسفہ وغیرہ کی تعلیم دی رہے اور ساتھ ہی ساتھ محرم کے ایام

---

[1]۔مولانا موصوف سے لی گئی معلومات، ۱۵/ ۱۱/ ۲۰۱۵ء

میں ہندوستان کی مختلف جگہوں پر خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے ہیں۔ مولانا موصوف شعر و شاعری اور مضمون نگاری وغیرہ لکھنے میں بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ آپ نے آیت اللہ رضا معینی کی کتاب ''فضایل الشیعہ'' نامی کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا ہے جو ناشر قرآن وعترت فاونڈین، قم ۲۰۱۴ء میں شائع ہوچکی ہے۔ اس کے علاوہ ''طلوع صادقین'' اور ''ابوطالب تاریخ کا روشن چہرہ'' کے عنوان سے دو مضمون بھی لکھ چکے ہیں اور اس کے علاوہ قم سے شایع ہونے والے مجلوں سے بھی جڑے ہوئے ہیں[۱]۔

مولانا عرفان رضا

مولانا عرفان رضا ابن ظفر الحسن مرحوم، ۱۰/ اگست ۱۹۸۴ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ میں حاصل کرنے کے بعد ۱۹۹۷ء کو مدرسہ جعفریہ کوپاگنج میں داخلہ لیا، وہاں سے عربی، فارسی، نحو و صرف، منطق، فقہ و اصول وغیرہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تعلیم کو مزید آگے بڑھانے کی غرض سے ۲۰۰۶ء میں سیریا کا سفر کیا، وہاں پر موجود حوزۂ امام حسین علیہ السلام میں داخلہ لیا اور تقریبا چھ سال تک پڑھائی کا سلسلہ چلتا رہا۔ ۲۰۱۱ء میں آپ سیریا سے ہندوستان واپس آگئے۔ مولانا موصوف نے ابتدائی تعلیم سے لیکر آخر تک جن اساتذہ سے کسب علم کیا ہے ان میں مولوی اقبال مہدی، مولانا خیرات الحسنین، مولانا افضل حسین، مولانا محمد تقی، مولانا شمس الحسن اور سیریا میں مولانا مسلم رضائی، مولانا پرہیزگاری وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

سیریا سے واپسی کے بعد آپ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تبلیغ و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں جن میں اجمیر شریف کے ایک مدرسہ میں تقریبا تین سال تک تدریس اور امام جماعت کے فرائض انجام دیئے۔ اس کے بعد سے لیکر اب تک موضع سہمسا، ماہل ضلع اعظم گڑھ میں تدریس و امام جماعت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مولانا موصوف کو مضمون نگاری کا بھی شوق ہے لہذا وقتا فوقتا لکھتے

۱۔ مولانا موصوف سے لی گئی معلومات ۲۰۱۵ء

رہتے ہیں[۱]۔

مولانا فیضان حیدر

مولانا فیضان حیدر ابن مولانا ارشاد حسین معروفی، یکم جون ۱۹۸۶ء کو محلہ پرانا پورا کے ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے جب آپ نے ہوش سنبھالا تو آپ کے والد نے مدرسہ امامیہ میں داخل کر دیا جہاں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور وہاں سے پانچویں کلاس پاس کرنے کے بعد ۱۹۹۸ء کے اواخر میں مدرسہ باب العلم مبارکپور میں داخلہ لیا اور عربی، فارسی اور منطق میں استعداد بہم پہنچائی، وہاں کے مشاہیر اساتذہ میں اپنے والد مولانا ارشاد حسین، مولانا ظہور المصطفی اور مولانا کاظم علی واعظ قابل ذکر ہیں جنہوں نے آپ کی تربیت پر خاص دھیان دیا خصوصا آپ کے والد محترم نے تعلیم و تربیت اور نشو و نما پر خصوصی توجہ دی ان کی پدرانہ شفقتوں کے باوجود ان کی خصوصی توجہ نے ان کی شخصیت پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے چونکہ آپ کے والد محترم ایک ماہر استاد ہیں جو عربی و فارسی کے بہت بڑے عالم ہونے کے ساتھ منطق و فلسفہ میں بھی مکمل دسترس رکھتے ہیں اور وہ بچوں کی تعلیم و تربیت کا اس قدر خیال رکھتے ہیں کہ اپنے آرام و استراحت کا وقت بھی نہیں دیکھتے اور ہمہ تن اپنے شاگردوں کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہتے تھے۔

مولانا فیضان حیدر نے مبارکپور میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۲۰۰۲ء کو جامعہ سلطانیہ لکھنؤ میں مولوی میں داخلہ لیا اور تقریبا ایک سال تک وہیں تعلیم حاصل کی لیکن کچھ نامساعد حالات کیوجہ سے جامعہ سلطانیہ کو ترک کر دیا اور ۲۰۰۳ء میں جامعہ ناظمیہ میں داخلہ لیا اور تحصیل علم میں ہمہ تن مشغول ہو گئے اور وہاں پر مولانا محمد مجتبی حسین، مولانا محمد حسنین، مولانا شاکر جیسے مشفق اساتذہ سے کسب علم کیا۔

۲۰۱۰ء میں جامعہ ناظمیہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے تعلیمی سلسلہ کو آگے بڑھانے کے لیے اکتوبر ۲۰۱۰ء میں ایران کا سفر کیا جہاں تقریبا ڈھائی سال تک وہاں کی علمی اور مذہبی و دینی فضا سے کسب فیض کیا اور مشاہیر اور قابل قدر اساتذہ جناب شیر محمدی، جناب بہجتی نے مولانا کی تعلیمی اور تربیتی زندگی

---

[۱]۔ مولانا موصوف سے لی گئی معلومات، ۲۸/ اکتوبر ۲۰۱۵ء

پر خاص نظر رکھی اور انہیں حضرات کی نظر عنایت سے فارسی زبان سیکھنے کا موقع فراہم ہوا جنھوں نے فارسی زبان میں لکھے گئے آپ کے مضامین کی اصلاح کے کام انجام دیئے اور مفید مشوروں سے مستفید کیا۔ مارچ ۲۰۱۱ء میں فارسی زبان سیکھنے کے بعد قم کے ایک مشہور مدرسہ امام خمینی میں داخلہ ہوا جہاں آپ نے تقریباً دو سال تک نحو وصرف، منطق، فلسفہ اور تاریخ وغیرہ کے دروس میں شرکت کرتے رہے اور ان علوم میں معلومات بہم پہنچائیں لیکن نامساعد گھریلو حالات اور والد کی اچانک طبیعت کی ناسازی کے سبب ۲۸ جنوری ۲۰۱۳ء کو مجبوراً ایران کو ترک کر کے ہندوستان تشریف لائے لیکن اپنی دینی اور مذہبی تعلیم سے علاحدگی اختیار نہ کی بلکہ اپنے اس مشن کو ابھی تک برقرار رکھا ہے۔

جامعہ ناظمیہ میں تعلیم کے دوران ہی ۲۰۰۳ء میں شیعہ کالج لکھنؤ کی ایوننگ شفٹ میں بی۔اے۔ میں داخلہ لیا اور ۲۰۰۶ء میں اسے امتیازی نمبروں سے پاس کیا اور اس کے بعد ۲۰۰۸ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے ایم۔اے۔ پاس کیا اور ایران سے واپسی کے بعد فروری ۲۰۱۳ء میں بنارس ہندو یونیورسٹی کے شعبہ فارسی میں بحیثیت ریسرا سکالر پی۔ایچ۔ڈی میں داخلہ لیا جہاں آج تک اپنے تحقیقی کاموں میں مصروف ہیں۔ وہاں ان کی تحقیق کا موضوع ''سفرنامہ نویسی فارسی در ہند'' ہے جسے پروفیسر سید حسن عباس سابق صدر شعبہ فارسی بنارس ہندو یونیورسٹی کی زیرنگرانی انجام دے رہے ہیں[۱]۔

تالیفات

۱۔ رباعیات خیام با ترجمہ وشرح الفاظ (زیر طبع)

۲۔ تاریخ ادبیات فارسی جلد اول (حصہ شعر، زیر تالیف)

۳۔ تاریخ ادبیات فارسی جلد دوم (حصہ نثر، زیر تالیف)

۴۔ اس کے علاوہ بہت سے مضامین علمی، ادبی اور مذہبی رسالوں میں شایع ہو چکے ہیں جن میں ''میری ایران یاترا: ایک تعارف''، ''حسرت موہانی کی سیاسی شاعری''، ''جگر مرادآبادی یک شاعر فراموش شدہ فارسی'' وغیرہ کے نام لیے جا سکتے ہیں۔

۱۔ مولانا موصوف نے یہ اطلاعات ۳۰ ستمبر ۲۰۱۴ کو ایمیل کے ذریعہ ارسال کیا تھا

مولانا محمد علی (راجو)

مولانا محمد علی ابن کیلاش، آپ کا نام راجو تھا لیکن مسلمان ہونے کے بعد محمد علی رکھا گیا ہے۔ آپ کی ولادت ضلع مئو کے گوٹھا نامی گاوں میں ایک غریب ہندو گھرانہ میں ہوئی، غربت کا یہ عالم تھا کہ سارے افراد خانہ مل کر کام کرتے تھے تب کہیں جا کر دو وقت کی روٹی میسر ہوتی تھی۔ آپ نے ابتدائی درجہ دوم تک کی تعلیم اپنے گاوں کے ایک اسکول میں حاصل کی لیکن غریبی نے تعلیم کو پورا نہ ہونے دیا اور آپ کے والد نے پیسہ کمانے کی غرض سے کسی شخص کے گھر کام کرنے کے لیے بھیج دیا وہاں پر ایک سال کام کرتے رہے لیکن آپ کے ساتھ اس گھر کے لوگ انتہائی برا سلوک کرتے تھے یہاں تک کہ کھانا بھی نہیں دیتے تھے اور معمولی غلطیوں پر مارتے پیٹتے تھے، وہاں پر ایک سال کام کرنے کے بعد آپ کے والد نے کسی دوسرے شخص کے یہاں کام کرنے کے لیے بھیج دیا جن کے یہاں ساڑی بنائی کا کام ہوتا تھا وہاں پر بھی کچھ اچھے حالات نہ تھے کچھ دنوں بعد دوبارہ اپنے گاوں واپس آکر مزدوری وغیرہ میں مشغول ہو گئے۔

جب آپ ۱۲ یا ۱۳ سال کے تھے تو پورہ معروف سے ایک ہندو لڑکی بیاہ کر ان کے گاوں آئی اور اس نے آپ کے والد سے کہا کہ پورہ معروف میں مسلمانوں کے یہاں ساڑی کا کاروبار ہوتا ہے اور انہیں لڑکوں کی ضرورت ہوتی ہے لہذا اگر اپنے لڑکے کو بھیج دیں تو کمائی ہو جائے گی، آپ کے والد نے اس کے کہنے پر آپ کو پورہ معروف بھیجا لیکن چونکہ اس وقت آپ کا مذہب ہندو تھا اس لیے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا جاتا تھا، بہر حال کچھ مدت گذرنے کے بعد وہاں بھی کام چھوڑ کر اپنے گھر واپس چلے گئے۔ اس کے بعد پورہ معروف کے رہنے والے جناب غلام عباس آپ کے گھر پہونچے اور آپ کے والد سے کہا کہ اپنے بیٹے کو میرے گھر بھیج دیں لیکن آپ نے جانے سے انکار کر دیا پھر دوبارہ دو ہفتہ بعد جناب غلام عباس ان کے گھر گئے اور آپ کو اپنے ساتھ اپنے گھر لائے اور جب آپ ان کے گھر پہونچے تو جناب غلام عباس کی شریکۂ حیات نے کہا کہ مجھے اپنی ماں ہی سمجھنا اور ان لوگوں نے آپ کو ماں باپ جیسا پیار دیا یہاں تک کہ آپ کو گھر کا ایک فرد سمجھا جانے لگا، وہ لوگ آپ کو اپنے تمام دینی و مذہبی پروگرام میں لے جاتے اور مذہب تشیع کی بھی آشنائی کراتے، انہوں نے آپ کو کلمہ وغیرہ کی تعلیم دی اور ایک دن وہ بھی آیا کہ آپ نے

شیعہ ہونے کا اعلان بھی کر دیا لیکن اس کے بعد آپ کے گھر والوں اور پورہ معروف کے دیگر ہندو افراد نے برا بھلا کہنا شروع کر دیا یہاں تک کہ جان سے مارنے کی دھمکی تک دی اور آپ کے گاوں والوں نے آپ کے والدین سے قطع تعلق کر لیا جس کے سبب ایک دن آپ کے والدین بڑے غصہ میں آ کر آپ کو گھر لے گئے اور اتفاقا اس دن محرم کی نویں تاریخ تھی آپ جب گھر پہونچے تو وہ رات بے چینی کے عالم میں گذار دی اور صبح ہوتے ہی عاشورہ کے اعمال انجام دینے کے لیے گھر سے بہانہ بنا کر فرار اختیار کیا، اعمال عاشور انجام دینے کے بعد دل میں خواہش ہوئی کہ علم دین حاصل کر لوں لہذا ایہی آرزو لیکر گھر کو چھوڑا اور یکہ و تنہا گورکھپور کی راہ لی لیکن وہاں کوئی کام نہ بن سکا اور وہاں سے کسی طرح بڑھل گنج نامی گاوں چلے گئے جہاں ایک شخص نے ایک ہوٹل پر کام کرنے کے لیے لگا دیا وہاں پر کام کرتے رہے یہاں تک کہ ایک دن پورہ معروف کا ایک شخص وہاں پہونچا تو انہیں دیکھ کر پہچان گیا اور اس بات کی اطلاع جناب غلام عباس کو دی اور وہ پہلی فرصت میں آپ کو لینے چلے گئے اور جب انہیں گھر لائے تو آپ نے سارا ماجرا بیان کیا اور ساتھ ہی ساتھ علم دین حاصل کرنے کی دلی خواہش کا اظہار بھی کیا تو انہوں نے اس کا بھی انتظام کر دیا اور پورہ معروف کے دو عالم دین کے ساتھ علم دین حاصل کرنے کے لیے حوزۂ امام خمینی وٹوہ گجرات بھیج دیا جہاں آپ تقریبا نو سال تک علم دین حاصل کرتے رہے۔

اس تعلیمی سفر میں مختلف اساتذہ جیسے مولانا عابد حسین، مولانا محمد رضا غروی، مولانا محمد اختر، مولانا توقیر رضا، مولانا توقیر الحسن اور مولانا اختر جعفری سے کسب علم کیا ہے۔ اور تعلیم کے دوران ہی جناب غلام عباس نے اپنی بیٹی کی شادی آپ سے کر دی۔ حوزۂ امام خمینی میں تعلیم پوری کرنے کے بعد گجرات میں واعزول نامی جگہ پر تقریبا دو سال امام جماعت اور تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور پھر دوبارہ دینی تعلیم کو جاری رکھنے کی غرض سے ۲۰۱۴ء میں ایران تشریف لے گئے جہاں اب تک مشغول تعلیم ہیں[۱]۔

۱۔ مولوی موصوف سے لی گئی معلومات، ۲۰۱۵ء

مولانا محمد کاظم

مولانا محمد کاظم ابن مولانا محمد حسن معروفی ۲۵/نومبر ۱۹۸۵ءکوایران کے شہر قم میں پیدا ہوئے۔ جب آپ تین سال کے تھے تو آپ کے والد ماجد ہندوستان چلے آئے اس لئے ابتدائی تعلیم یونیٹی کالج لکھنؤ میں حاصل کی ۔ ۱۰/سال کی عمر میں اپنے خانوادہ کے ساتھ لندن گئے جہاں ۱۹۹۵ءتا ۱۹۹۷ءتک Alexendra school london،اور ۱۹۹۷ءتا ۲۰۰۴ء Syon SchoolIsleworth، اور ۲۰۰۴ءتا ۲۰۰۹ءتک Islamic College of London میں تعلیم حاصل کی اوراسی دوران ایک سال کے لیے سیریا میں عربی زبان سیکھنے کیلئے گئے سیریا کے ایک حوزہ امام خمینی میں داخلہ لیا۔اوراپنے تمام تعلیمی دورے میں آیۃ اللہ میلانی، شیخ بہمن پوراور انگلینڈکی ایک استاد اسٹپٹو Steptoe سے بہت متاثر ہوئے اوران حضرات سے علمی استفادہ کیا۔ ۲۰۱۰ءمیں دینی تعلیمات حاصل کرنے کے لیے ایران تشریف لائے اور شہر قم میں المصطفی یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور ابھی تک وہیں مشغول تعلیم ہیں [1]۔مولانا موصوف بہت محنتی اور ذہین طالب علم ہیں اور بچپن سے ہی لکھنے پڑھنے سے والہانہ دلچسپی رہی ہے لہذا انگریزی زبان میں مختلف مضامین لکھ چکے ہیں اور متعدد مضامین کا ترجمہ بھی کیا ہے۔

مولانا محمد کاظم

محمد کاظم ابن جناب ذاکر حسین، محلہ حسین آباد میں ۲۲/اپریل ۱۹۸۶ءکو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ میں حاصل کی، وہاں کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ۱۹۹۸ءمیں شہر بنارس کے مدرسہ ایمانیہ میں داخلہ لیا جہاں عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں لیکن ایک ہی سال کے بعد وہاں سے منتقل ہوکر ۱۹۹۹ءمیں کوپاگنج کے مدرسہ جامعہ جعفریہ میں داخلہ لیا جہاں دو سال تک تعلیم کو جاری رکھا اور میزان الصرف، منطق، نحو، انگریزی وغیرہ پڑھا اور مولانا خیرات الحسنین کے علاوہ وہاں کے موجودہ دیگر اساتذہ

---

[1]۔مولانا موصوف سے لی گئی معلومات ۲۰۱۴ء

سے کسب فیض کیا۔ ۲۰۰۱ء سے لیکر ۲۰۰۳ء تک مولانا موصوف نے ''جامعہ مرتضویہ'' ممبئی میں تعلیم حاصل کی جہاں اصول وعقاید اور نحو وصرف کے موضوع پر مشتمل کتابیں پڑھیں اور پھر ۲۰۰۴ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے سیریا کا سفر کیا اور ۲۰۰۴ء سے لیکر ۲۰۱۱ء تک وہاں کے مختلف حوزات جیسے جامعہ السیدہ زینب سلام اللہ علیہا، حوزۂ امام حسین علیہ السلام میں زیر تعلیم رہے اور وہاں کے جید علماء سے مستفید ہوتے رہے لیکن سیریا کے حالات خراب ہونے کے سبب ہندوستان تشریف لائے اور پھر ۲۰۱۴ء میں آپ ایران تشریف لے گئے اور مدرسہ امام خمینی، قم میں داخلہ لیا جہاں تعلیم کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ آپ نے اپنی تعلیمی مشغولیات کے دوران کئی مضامین تحریر کیے ہیں جن میں سے بیشتر شائع نہیں ہوئے ہیں لیکن کچھ مضامین طباعت کی منزل میں ہیں[1]۔

مولانا ظفر عباس

مولانا ظفر عباس ابن امداد حسین مرحوم، ۱۲/ جون ۱۹۸۶ء کو متولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ ضیاء العلوم میں درجہ پنجم تک حاصل کرنے کے بعد ۱۹۹۹ء سے لیکر ۲۰۰۱ء تک مدرسہ جعفریہ میں دینی تعلیم حاصل کرتے رہے اور پھر ۲۰۰۱ء سے ۲۰۰۶ء تک مدرسہ باب العلم مبارکپور میں تعلیم حاصل کی اور وہاں سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد گجرات کے مختلف علاقوں میں تبلیغ کرتے رہے بالخصوص شہراونا ضلع جونا گڑھ گجرات میں ایک سال تک تدریس وتبلیغ کا سلسلہ تھا اور آپ وہاں امام جمعہ و جماعت کے فرائض انجام دیتے رہے اور ہندوستان کے مدرسوں میں تعلیم کے دوران آپ نے الہ آباد بورڈ کے منشی مولوی، کامل و عالم اور علی گڑھ بورڈ کے ادیب ماہر، ادیب کامل وغیرہ کے امتحانات بھی پاس کرتے رہے ہیں اور آپ نے اپنی پوری تعلیم کے دوران بہت سے اساتذہ جیسے ماسٹر ریاض الدین، مولانا حسام الدین، اعجاز احمد، مولانا خیرات الحسنین، ماسٹر جعفر علی، مولانا شمس الحسن، مولانا ارشاد حسین، مولانا محمد مہدی حسینی، مولانا صادق

---

[1]۔ مولانا محمد کاظم معلوم کی گئی اطلاعات۔ ۲۹/ ۰۹/ ۲۰۱۴ء

حسین، کاظم علی جلالپوری، مولانا ظہورالمصطفی، مولانا انصار حسین ترابی، آقای مجبی، آقای برقی کاراور سید عطار وغیرہ سے کسب علم کیا ہے۔

۲۰۱۰ء میں اعلی تعلیم کے لیے ایران کا سفر کیا اور وہاں کے شہر اصفہان میں موجود حوزہ جامعۃ المصطفی میں داخلہ لیا جہاں فارسی زبان سیکھنے کے بعد پڑھائی کا سلسلہ آج تک جاری رکھا ہے۔اسی دوران آپ نے کئی مرتبہ تبلیغ کی غرض سے ہندوستان کا سفر کیا ہے اور ہندوستان کے مختلف علاقوں جیسے بڑاگاوں ضلع امبیڈکرنگر، رانپور گجرات، جام نگر گجرات وغیرہ میں تبلیغ کے فرائض انجام بھی دیتے رہے ہیں[۱]۔

قاری وحافظ مولانا علی حمزہ

قاری مولانا علی حمزہ ابن مولانا مظفر نقی، ۲۲/ جولائی ۱۹۸۸ء کو محلہ حسین آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سیتھل میں موجود تنظیم المکاتب کے مکتب میں ایک سال حاصل کرنے کے بعد تقریبا سات سال کی عمر میں اپنے والدین کے ساتھ ایران چلے گئے جہاں ''شہید فیاض بخش'' نام کے ایک اسکول میں پانچ سالہ کورس کیا۔اس کے بعد تقریبا ڈیڑھ سال تک قرآن کے حفظ اور قرائت میں مشغول رہے۔اور اس دوران پورے قرآن کے حافظ ہوگئے آپ حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے قاری بھی ہیں۔ حفظ قرآن کے بعد قم کے ''شہید تندگویان'' نامی اسکول میں داخلہ لیا جہاں تین سال پڑھائی کی پھر اس کے بعد ایران کے مشہور ومعروف مدرسہ امام خمینی میں داخلہ لیا اور اپنی جاری تعلیم کے تقریبا تین سال بعد پہلی مرتبہ تبلیغی سفر پر ہندوستان آئے مگر بدقسمتی سے آپ کا پاسپورٹ گم ہوگیا جس کی وجہ سے ایران نہ جاسکے لہذا تعلیم جاری رکھنے کے لئے آپ کے والد نے آپ کا داخلہ مدرسہ ''جامعۃ الشہید'' دہلی میں کرادیا، وہاں کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ایرانی امتحان دیکر دہلی کے ایک مدرسہ میں قرآن کے موضوع پر بی۔اے کیا۔ پھر تقریبا ایک سال تک بمبئی کے ایک مدرسہ میں قرائت اور حفظ قرآن کا درس دیتے رہے۔ اور ایک سال

۱۔مولانا ظفر عباس سے ۱۹ جولائی ۲۰۱۵ء کو لیا گیا انٹرویو

بعد دوبارہ ایران تشریف لے گئے اور دوبارہ مدرسہ امام خمینی میں داخلہ لیا۔ اس وقت وہاں پر علم دین حاصل کرنے میں مشغول ہیں۔

آپ نے اپنے تعلیمی سفر میں مولانا فرخندہ، مولانا محسن تقوی، مولانا غازی، مولانا ابن علی، مولانا نعمت علی، مولانا شبیب رضوی وغیرہ جیسے استادوں سے کسب فیض کیا ہے۔ فارسی اور اردو زبان میں متعدد تحقیقی مقالے تحریر کئے ہیں جن میں سے ''نکات اخلاقی وتربیتی سورہ یوسف'' اور ''منع تدوین حدیث کے اثرات و نتائج'' قابل ذکر ہیں جو چھپ کر مقبول عام ہو چکے ہیں[۱]۔

مولانا محمد رضی ''خنداں معروفی''

مولانا محمد رضی ابن جناب انصر حسین کی ولادت ۸/مئی ۱۹۸۹ء کو محلہ پرانا پورا کے ایک مذہبی گھرانے میں ہوئی۔ آپ نے اپنے وطن کے مدرسے میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایک سال تک اپنی بستی ہی کے مدرسہ ضیاء العلوم میں حاصل کی۔ ۲۰۰۳ء کے آخر میں الہ آباد مدرسہ انوار العلوم میں دینی تعلیم کو جاری رکھنے کے لیے داخلہ لیا۔ وہاں سے فراغت کے بعد ۲۰۱۰ء میں ایران تشریف لے گئے اور وہاں کے مشہور مدرسہ امام خمینی میں زیر تعلیم ہیں۔ آپ نے اپنے پورے تعلیمی سفر میں مختلف اساتذہ جیسے مولانا رضی حیدر، مولانا احسان عباس، مولانا جوہر، مولانا جواد حیدر جوادی، جناب آدیان شمس، جناب احمد ملائی وغیرہ سے کسب فیض کیا ہے۔

مولانا موصوف کے دادا مولوی اقبال مہدی نے بچپن سے آپ کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا غرض کی آپ کی شخصیت کو سنوارنے میں ان کا سب سے اہم کردار رہا ہے[۲]۔ آپ ایک عمدہ قاری قرآن ہیں، مدرسہ انوار العلوم کی تعلیم کے دوران ہی تبلیغ اور خطابت کے سلسلے سے مختلف جگہوں پر جایا کرتے تھے جس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ ساتھ ہی ساتھ آپ کو شعر و شاعری سے بھی شغف ہے لہذا اس سلسلے میں

۱۔ مولوی علی حمزہ سے ۱۹ مارچ ۲۰۱۵ء کو لیا گیا انٹرویو

۲۔ مولانا سے لی گئی معلومات ۲۰۱۵ء

ہندوستان میں ہونے والی مختلف محافل میں شرکت کی ہے اور برابر نوحے بھی لکھتے رہتے ہیں۔شاعری میں آپ کا تخلص ''خنداں'' ہے۔آپ کو مضامین لکھنے کا بھی شوق ہے لہذا موقع بہ موقع تحریر کرتے رہتے ہیں۔

مولانا موصوف نے راقم الحروف کے اردو میں لکھے جانے والے ایک مضمون ''ہندو محققین کی قرآنی خدمتیں'' کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے جو ایران کے مشہور مجلہ آئینہ پژوہش، میں شائع ہونے والا ہے اور موصوف مولانا تفضّل مہدی کی حیات اور علمی، سماجی کارناموں پر ایک کتاب مرتب کررہے ہیں۔

مولانا محمد کاظم مہدی

مولانا محمد کاظم مہدی ابن جناب اولاد حسین ۱۰/نومبر ۱۹۹۰ء کو پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ میں حاصل کرنے کے بعد تقریباً چار سال تک مدرسہ جعفریہ میں تعلیم حاصل کی پھر ۲۰۰۴ء میں مدرسہ جامعۃ التبلیغ لکھنؤ میں داخلہ لیا جہاں ۲۰۰۹ء تک تعلیم کا سلسلہ جاری رہا، ساتھ ہی ساتھ الہ آباد بورڈ اور علی گڑھ بورڈ کے مولوی، منشی، ادیب، عالم، کامل وغیرہ کے امتحانات میں بھی شرکت کرتے رہے ہیں۔جامعۃ التبلیغ سے فراغت کے بعد سیریا تشریف لے گئے لیکن ۲۰۱۱ء کے آخر میں وہاں کے حالات نامساعد ہونے کی وجہ سے ہندوستان واپس آ گئے اور ۲۰۱۲ء میں لکھنؤ میں کھلنے والے مدرسہ عقیلہ بنی ہاشم میں بطور استاد و ناظر دارالاقامہ خدمات انجام دیتے رہے۔آپ نے ہندوستان میں ماسٹر سعید، مولانا سید تہذیب الحسن، مولانا خیرات الحسنین، مولانا محمد تقی، مولانا محمد ظہیر الحسن، مولانا مرزا گوہر علی مرحوم، مولانا سید غلام پنجتن مسیب، مولانا سید تقی رضا، مولانا سید طالب رضوان وغیرہ جیسے اساتذہ سے کسب فیض کیا ہے اور سیریا و ایران میں آقای سلیمان فادیقا، آقای قاسم، آقای مفتون آزاد، آقای سید باقر کشمیری وغیرہ جیسے اساتذہ سے کسب علم کیا ہے[۱]۔

۲۰۱۴ء میں آپ نے تعلیم کی غرض ست ایران کا سفر کیا اور وہاں سے واپسی کے بعد دوبارہ مدرسہ

۱۔مولانا موصوف سے لی گئی معلومات ۱۰/۱۱/۲۰۱۵ء

عقیلہ بنی ہاشم میں تدریس کا سلسلہ جاری رکھا جو ابھی تک جاری وساری ہے۔

مولانا آزاد علی

مولانا آزاد علی ابن جناب عبادت حسین، ۱۵ / اگست ۱۹۹۱ء کو محلہ حسین آباد میں پیدا ہوئے۔ بستی کے مدرسہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کرتے ہی مبارکپور کے مدرسہ باب العلم میں درجہ ششم داخلہ لیا اور وہاں درجہ مولوی ب تک پڑھنے کے بعد مدرسہ کو ترک کر دیا۔ اسی دوران الہ آباد بورڈ کے منشی و مولوی کے امتحانات بھی دیئے۔ مدرسہ ترک کرنے کے ایک سال بعد تک تعلیمی سلسلہ منقطع رہا لیکن آپ نے اس دوران ہائی اسکول کا امتحان دیا اور اسکول میں پڑھنے کا ارادہ کیا مگر نفس نے ملامت کی اور دوبارہ حوزوی تعلیم کو جاری رکھنے کی غرض سے ۲۰۰۷ء میں جامعہ جوادیہ بنارس میں داخلہ لیا جہاں سے نجم الافاضل کی ڈگری حاصل کی اور جوادیہ کے تعلیمی دورہ میں رامپور، بہار، رائے بریلی، الہ آباد اور اکبر پور جیسی جگہوں پر ایام محرم اور رمضان میں دینی فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔

۲۰۱۰ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے شام کا سفر کیا جہاں ''حوزۃ القائم'' نام کے ایک مدرسہ میں تعلیم میں مصروف رہے اس کے بعد وہیں کے ایک مدرسہ حوزۂ امام خمینی میں داخلہ لیا لیکن سیریا کے حالات نامساعد ہونے کی وجہ سے ہندوستان چلے آئے۔ کچھ دنوں شاہ رضا میں دینی فرائض انجام دینے کے بعد مظفرنگر میں امام جمعہ و جماعت کی حیثیت سے ایک سال دینی خدمات انجام دیں۔ اسی دوران ایران سے تحصیل کے لئے ویزا پہونچا تو ۲۱ / نومبر ۲۰۱۳ء کو ایران تشریف لے گئے۔ اور وہاں شہر قم کے مشہور و معروف مدرسہ امام خمینی کے عربی شعبہ میں داخلہ لیا جہاں آج بھی مصروف تعلیم ہیں[1]۔

---

[1]۔ مولانا سے خط و کتابت کے ذریعہ لی گئی معلومات ۲۰۱۵ء

مولانا محمد مسلم

مولانا محمد مسلم ابن جناب روشن علی، ۱۹۸۵ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ میں حاصل کرنے کے بعد مدرسہ جعفریہ کوپا گنج میں داخلہ لیا جہاں چند سال پڑھنے کے بعد لکھنؤ کے مدرسہ جامعۃ التبلیغ میں داخلہ لیا۔ وہاں پر مولانا محمد ابراہیم، مولانا تقی رضا و دیگر مختلف اساتید سے کسب فیض کرنے کے بعد نجف اشرف تشریف لے گئے جہاں ابھی تک تعلیمی سلسلہ جاری ہے[۱]۔

مولانا حسن اختر

مولوی حسن اختر ابن جناب علی رضا، ۱۹۸۵ء کو محلہ حسین آباد میں متولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بستی کے مدرسہ میں حاصل کی اس کے بعد علم و ادب کے شہر لکھنؤ تشریف لائے جہاں مدرسہ جامعۃ التبلیغ میں داخلہ لیا اور وہاں سے فراغت کے بعد نجف اشرف تشریف لے گئے جہاں آج بھی مصروف تعلیم ہیں[۲]۔

مولانا محمد عباس ''امیر حیدر''

مولانا محمد عباس ابن مظاہر حیدر مرحوم، ۱۲/ دسمبر ۱۹۹۱ء میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ امامیہ سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا اور وہاں سے پنجم پاس کرنے کے بعد ۲۰۰۳ء میں لکھنؤ کے مشہور مدرسہ جامعہ امامیہ تنظیم المکاتب میں داخلہ لیا جہاں مولانا محمد علی صفوی مرحوم، مولانا سید منظر صادق، مولانا حیدر مہدی مرحوم، مولانا حمید الحسن و مولانا مشاہد عالم وغیرہ حضرات سے عربی، فارسی، نحو و صرف، منطق و فلسفہ، فقہ و اصول اور حدیث و تاریخ کی کتابیں پڑھیں۔ ۲۰۱۰ء میں وہاں سے فراغت کے بعد ایران کی طرف سے آئے ہوئے ایک

۱۔ مولانا سے خط و کتابت کے ذریعہ لی گئی معلومات ۲۰۱۵ء

۲۔ مولانا سے خط و کتابت کے ذریعہ لی گئی معلومات ۲۰۱۵ء

وفد نے آپ کا امتحان لیا جس کے نتیجہ میں ۲۰۱۱ء میں ایران پڑھنے کے لیے روانہ ہوئے اور وہاں کے شہر قم کے ایک مدرسہ حجتیہ میں داخلہ ہوا جہاں آج بھی مصروف تعلیم ہیں اور وہاں کے جید اساتذہ جناب مجتہدی، جناب محمد رضا پایانی، جناب کاظم الہی و مولانا علی عباس خان سے علمی استفادہ کر رہے ہیں۔ مولانا موصوف موقع بہ موقع ہندوستان تشریف لاتے رہتے ہیں اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تبلیغی امور انجام دیتے رہتے ہیں چنانچہ تقریبا چار سالوں سے گونڈہ میں واقع ریگاواں نام کے ایک گاوں میں ماہ رمضان کے مہینے میں امام جماعت کے فرائض انجام دیتے ہیں اور اس کے علاوہ ہندوستان کے شمالی علاقوں خاص کر گونڈہ، بارہ بنکی اور لکھنؤ میں مجالس و محافل میں تقریر کے لئے جایا کرتے رہے ہیں[1]۔

مولانا حسن حیدر

مولانا حسن حیدر ابن مولانا محمد مظہر حسین ۱۹۹۳ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ میں پنجم تک حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ کے مشہور مدرسہ سلطان المدارس میں دینی تعلیم کے لیے ۲۰۰۴ء میں آپ کا داخلہ درجہ پنجم میں ہوا تھا جہاں سند الافاضل کے درجہ تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایران چلے گئے۔ اپنے اس تعلیمی سفر میں مولانا شفیق حسین، مولانا غضنفر نواب معروفی، مولانا بیدار حسین، مولانا خوشنود حیدر و مولانا سید صادق رضوی و دیگر اساتید سے کسب فیض کیا۔ ۲۰۱۲ء میں آپ کا داخلہ تہران میں اہل البیت علیہم السلام نامی یونیورسٹی میں ہوا جہاں آپ نے تاریخ اسلام کے موضوع پر ایم۔اے۔ کیا اور آپ کی تھیسز کا موضوع مبارکپور کے شیعہ علماء کے بارے میں ہے جس کا فارسی عنوان ''تذکرہ علمائے شیعی مبارکپور'' تھا۔ وہاں سے ایم۔اے۔ کا کورس تمام کرنے کے بعد قم میں موجود انٹرنیشنل یونیورسٹی جامعۃ المصطفی میں انٹرویو دیا جس میں پاس ہونے کے نتیجے میں آپ کا داخلہ قم میں موجود حوزہ امام خمینی میں ہو گیا اور وہاں مصروف تعلیم ہیں[2]۔

---

[1]۔ مولانا موصوف سے لی گئی معلومات ۲۰۱۵ء

[2]۔ مولانا موصوف سے لی گئی معلومات ۲۰۱۵ء

مولانا جون محمد

مولانا جون محمد ابن جناب عون محمد کی ولادت ۱۲ / جون ۱۹۹۱ء کو محلہ حسین آباد میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم وتربیت پورہ معروف میں ہی وئی وہاں کے مدرسہ امامیہ سے پنجم پاس کرنے کے بعد والدین کی خواہش کی بناء پر مزید تعلیم کے لئے ۲۰۰۴ء میں موصوف نے مدرسہ باب العلم مبارک پور اعظم گڑھ میں داخلہ لیا جہاں سے اصل تعلیم کا آغاز کیا وہاں پر چند سالتک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہندوستان کے مشہور ومعروف مدرسہ جوادیہ عربی کالج بنارس میں داخلہ لیا جہاں پہ موصوف نے چند سال تعلیم حاصل کی اور ساتھ ساتھ تبلیغی دورے بھی کیے ہیں پھر وہاں سے موصوف نے اعلی تعلیم کے لیے نجف اشرف کا سفر کیا جہاں پر آیت اللہ العظمی السید محسن الحکیم کے زیر سرپرستی چلنے والے مدرسہ ''مدرسۃ الحکیم'' میں داخلہ لیا اور آج تک وہیں دینی تعلیم کے حصول میں مصروف ہیں۔آپ نے اپنے پورے تعلیمی دور میں مولانا ارشاد حسین معروفی، مولانا مہدی حسینی گھوسوی، مولانا کاظم حسین جلالپوری، مولانا احمد مجلسی زنگی پوری، مولانا سید ضمیر الحسن، مولانا سید ندیم اصغر، مولانا سید ذہین حیدر، مولانا شیخ مظاہر حسین سے کسب علم کیا ہے[1]۔

مولانا محمد عیسیٰ

مولانا محمد عیسیٰ ابن مولانا تفضّل مہدی مرحوم ۵ دسمبر ۱۹۹۱ کو محلہ حسین آباد میں پیدا ہوئے۔آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ پورہ معروف میں حاصل کی اور وہاں سے پنجم کی ممتاز ڈگری لینے کے بعد جامعہ تنظیم المکاتب لکھنؤ میں ۲۰۰۵ میں داخلہ لیا جہاں پر منطق، نحو وصرف، فقہ واصول حدیث وتاریخ وغیرہ کی کتابیں پڑھیں اور اس زمانے کے استاد مولانا حمید الحسن زیدی، مولانا محمد علی صفوی مرحوم، مولانا منظر صادق، مولانا سید صفی حیدر، مولانا سید حیدر مہدی مرحوم، مولانا منور حسین، مولانا محمد مشاہد عالم، مولانا ممتاز جعفر وغیرہ سے کسب فیض کیا۔ ۲۰۱۲ میں تنظیم المکاتب سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ایران سے

---

[1]۔ مولانا سے ایمیل کے ذریعہ لی گئی معلومات بتاریخ ۹ / اگست ۲۰۱۴ء

آئے ایک وفد نے امتحان لیا جس میں پاس ہونے کے نتیجے میں دہلی میں ایران کی طرف سے کھولے گئے جامعۃ المصطفی انٹرنیشنل یونیورسٹی کے شعبہ مرکز آموزش المصطفی میں فقہ واصول کے موضوع پر بی۔اے کا کورس کیا جہاں آپ نے ''آیہ وضوازدیدگاہ فریقین'' کے عنوان سے تحقیقی مقالہ تحریر کیا اور پھر پڑھائی کو آگے جاری رکھنے کے لئے ۲۴ ستمبر ۲۰۱۴ء کو ایران تشریف لے گئے۔ مولانا موصوف کو بچپن ہی سے لکھنے پڑھنے سے بہت لگاو رہا ہے لہذا آپ نے متعدد مضامین تحریر کیے ہیں جن میں سے بعض کو ہم یہاں پر ذکر کرتے ہیں۔

۱۔**استخارہ:** مجلہ تنظیم المکاتب، مئی یا جون ۲۰۱۲ء

۲۔**امام حسن علیہ السلام کی ششماہی حکومت کے خدو خال:** مجلہ سفینۃ النجات دہلی، ماہ رمضان ۱۴۳۴ھ

۳۔ان کے علاوہ مندرجہ ذیل موضوع پر مضامین تحریر کیے ہیں جو ابھی تک شائع نہیں ہوئے ہیں۔

۱۔آزمایش ایک سنت الٰہی ۲۔قیام امام حسین علیہ السلام ۳۔حضرت علی علیہ السلام کی خاموشی وغیرہ

۴۔**شہید مطہری کی کچھ نمایاں خصوصیات:** مجلہ فکر مطہر خصوصی شمارہ، ۲۰۱۵ء دہلی

مولوی محمد مومن علی مرحوم

محمد مومن علی ابن جناب اولاد حسین، ۳/اپریل ۱۹۹۲ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ میں حاصل کرنے کے بعد جامعہ حیدریہ خیرآباد، میں ۲۰۰۳ء میں داخلہ لیا اور وہیں پر تعلیمی سلسلہ جاری ہی تھا کہ ایک روز پورہ معروف سے کوپا گنج جانے والے راستہ پر ایک ناگہانی حادثہ کے سبب ۲۷/جولائی ۲۰۰۴ء میں مولوی موصوف کا انتقال ہو گیا[۱]۔

۱۔مولوی مرحوم کے بھائی جناب مولانا محمد کاظم مہدی سے لی گئی معلومات ۱۵ جنوری ۲۰۱۶ء

نوٹ: مولانا قاسم علی ابن جناب علی حسن، مولانا معصوم اصغر ابن جناب ہاشم علی، مولانا محمد قاسم ابن ناصر حسین مرحوم، سے بارہا کہے جانے کے باوجود بھی اپنے بارے میں معلومات نہ دے سکے ہیں جس کی وجہ سے ان کا تذکرہ نہیں کر سکے۔

کچھ اپنے بارے میں

حقیر کا نام فیضان جعفر علی اور میرے والد ماجد کا نام مولانا تفضّل مہدی مرحوم ہے۔ جائے پیدائش ۳۱/ دسمبر ۱۹۸۵ء محلہ پرانا پورہ، اپنا آبائی گھر ہے۔ میں ابھی کمسن تھا کہ والد مرحوم حسین آباد میں آباد ہوگئے۔ جب تھوڑا ہوش سنبھالا تو والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔ میری والدہ ماجدہ نے بڑی محنت و مشقت سے ہمیں پروان چڑھایا اور ہمیشہ ہمیں علم دین کی ترغیب دلاتی رہتی تھیں اور دوسری طرف میرے والد ماجد کے انتقال کے بعد میرے بڑے ابو مولوی اقبال مہدی ہمیشہ ہمیں والد جیسا پیار دیتے اور ہماری تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھتے تھے۔ حقیر نے ابتدائی تعلیم مدرسہ امامیہ میں حاصل کی جہاں سے پنجم پاس کرنے کے بعد ۱۹۹۷ء میں جامعہ حیدریہ خیرآباد میں داخلہ لیا ۲۰۰۰ء تک وہاں پر تعلیمی سلسلہ جاری رہا جہاں مولانا ناظم علی واعظ، مولانا خیرات الحسنین، مولانا محمد علی صفوی مرحوم، مولانا محمد مہدی، مولانا سید صبیح الحسن، مولانا افضل حسین معصومی، مولانا اصغر اعجاز وغیرہ سے عربی، فارسی، نحو و صرف، منطق و فلسفہ، فقہ و تاریخ وغیرہ کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ ۲۰۰۰ء میں والدہ بھی دل کا دورہ پڑنے سے ہم سارے بہنیں اور بھائیوں کو روتا بلکتا چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ لیکن زندگی کے ایسے موڑ پر خدا نے ہمیں چچاؤں اور ماموں کی بے پناہ محبت و شفقتوں سے نوازا اور ہمیں آگے بڑھنے کا حوصلہ ملا میرے بڑے ابو مولوی اقبال مہدی اور میرے چھوٹے ماموں ظفر حسین مرحوم نے ہماری علم کی راہ میں آنے والی ہر معنوی اور مادی ضروریات کو پورا کیا کرتے جس کے سبب میں نے ایران تک کا سفر کیا اور علم دین کی نعمتوں سے مزین ہوتا رہا ہوں۔

۲۰۰۱ء مدرسہ سلطان المدارس کے درجہ مولوی میں داخلہ ہوا اور آٹھ سال تک پڑھائی کا یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ ۲۰۰۸ء میں صدر الافاضل کی ڈگری حاصل کی۔ اس آٹھ سالہ تعلیمی سفر میں مولانا بیدار حسین، مولانا محمد اصغر، مولانا محمد صادق رضوی، مولانا شفیق حسین جیسے علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ سلطان المدارس میں مشغولیت کے ساتھ ساتھ لکھنؤ یونیورسٹی سے بی۔ اے اور اردو ادب میں ایم۔ اے۔ بھی کرنے کا موقع ملا جہاں پروفیسر انیس اشفاق، پروفیسر احتشام حسین مرحوم، پروفیسر عباس رضا نیّر جلالپوری وغیرہ سے بھی فیضیاب ہوا۔

۲۰۰۸ء میں سلطان المدارس سے فراغت کے بعد اہل البیتؑ یونیورسٹی تہران سے آئے ہوئے ایک وفد نے دہلی میں انٹرویو لینے کا اعلان کیا جس میں شرکت اور پاس ہوجانے کے بعد ۲۰۰۹ء میں اہل البیت یونیورسٹی تہران جانے کا موقع ملا اور وہاں سے تاریخ اسلام کے موضوع پر ایم۔اے کیا۔ جہاں ایران کے بہترین اساتذہ پروفیسر علی بیات، پروفیسر احمد رضا خضری، پروفیسر جمال موسوی اور پروفیسر مخزن موسوی جیسے شفیق اساتذہ کا شرف تلمذ حاصل ہوا۔ میرے ایم۔اے کی تھیسز کا عنوان **''نقد و بررسی تاریخ نگاری منہاج سراج''** (یعنی منہاج الدین سراج کی تاریخ نگاری کا تنقیدی جائزہ) تھا۔

۲۰۱۱ء میں وہاں سے فراغت کے بعد تہران انٹرنیشنل یونیورسٹی میں پی ایچ۔ڈی۔ کے لئے درخواست اور انٹرویو دیا، جس کے نتیجے میں چھ ماہ بعد حقیر کو قبول ہونے کی خوشخبری دی گئی اور پھر تہران یونیورسٹی سے تاریخ اسلام کے موضوع پر پی ایچ۔ڈی کرنے میں مشغول ہوگیا۔ پی ایچ۔ڈی کے کورس ورک کے دوران جن پروفیسروں سے بہت ہی زیادہ متاثر ہوا اور ان سے بہت کچھ سیکھا ہے ان میں پروفیسر رسول جعفریان، پروفیسر محمد باقر وثوقی، پروفیسر حسن حضرتی، پروفیسر فرج الہ احمدی، پروفیسر منصور صفت گل کے نام قابل ذکر ہیں۔

حقیر کو باشعور ہونے کے بعد ہی سے لکھنے کا شوق تھا لیکن کوئی راہنما نہ ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں رہکر کوئی مضمون نہ لکھ سکا لیا البتہ ایران جانے کے بعد اساتذہ کی تشویقات بالخصوص جناب ڈاکٹر علی بیات، پروفیسر رسول جعفریان، ڈاکٹر سید علی نیکجلال، نے حوصلہ دیا اور پھر یونیورسٹی میں تحقیق و تدوین کے طریقہ سیکھنے کے بعد مضمون نگاری اور تحریری کام کا باقاعدہ طور پر آغاز کردیا۔ خدا کے فضل و کرم اور اس کی توفیقات کے نتیجے میں حقیر نے متعدد کتابیں ترجمہ و تالیف کی ہیں جن میں بعض شایع ہوچکی ہیں اور بعض زیر طبع و زیر تالیف ہیں اور اسی طرح کچھ مضامین بھی تحریر کیے ہیں جن میں بعض ہندوستان اور ایران کے رسالوں میں شائع ہوچکے ہیں۔

ترجمہ وتالیف

۱۔ **سلطان خراسان:** (امام رضا علیہ السلام: حیات، اخبار و آثار) تالیف عزیز اللہ عطاردی، اردو ترجمہ (دوجلدی)، ناشر زمن انسٹیٹیوٹ اینڈ ریسرچ سینٹر کوپا گنج ضلع مئو ۲۰۱۵ء

۲۔ **اسئلہ یوسفیہ:** تالیف ڈاکٹر رسول جعفریان، اردو ترجمہ، ناشر انصاریان پبلیکیشنز، قم، ایران، ۱۳۹۴ شمسی

۳۔ **محبت قرآن اور احادیث کی روشنی میں:** تالیف ڈاکٹر علی رافعی، زیر طبع

۴۔ **نقد و بررسی تاریخ نگاری منہاج سراج:** (فارسی)، تہران میں زیر طبع

۵۔ **مثالی کہانیاں:** (چودہ معصومین علیہم السلام کے قصے) چودہ معصوم پر سلسلہ وار چودہ کتابچوں پر مشتمل ایک مکمل خوبصورت سیٹ کا ہندی ترجمہ، زیر طبع

۶۔ **پورہ معروف کے شیعہ خاندانوں کا شجرہ نسب:** (زیر تالیف)

اردو مضامین

۱۔ **پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اخلاقی سیرت:** مجلہ ''شان مصطفیٰ'' نشر کاروان عزا دہلی، ۲۰۱۳ء

۲۔ **جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی سیرت:** ماہنامہ ''ناصر'' دہلی، جلد ۱۰، شمارہ ۴، جمادی الآخر ۱۴۳۴ھ

۳۔ **شخصیت امام مہدی علیہ السلام روایات کی روشنی میں:** ماہنامہ ''اصلاح''، لکھنؤ، جلد ۱۳، شمارہ ۶، جون ۲۰۱۴ء، شعبان ۱۴۳۵ھ

۴۔ **کار و تلاش حضرت علی علیہ السلام کی نگاہ میں:** ماہنامہ ''ناصر'' دہلی، جلد ۱۰، شمارہ ۵، ۲۰۱۳ء، رجب ۱۴۳۴ھ

۵۔ **قرآن اور دعوت فکر و نظر:** ماہنامہ ''ناصر'' دہلی، جلد ۱۰، شمارہ ۷، ۲۰۱۳ء، شوال ۱۴۳۴ھ

۶۔ **قرآن اور دعوت فکر و تعقل:** ماہنامہ ''اصلاح''، لکھنؤ، جلد ۱۲، شمارہ ۷، ۲۰۱۳ء، رمضان ۱۴۳۴ھ

۷۔ **حضرت ابوطالب علیہ السلام کی شخصیت پر لکھی جانی والی کتابوں کا اجمالی تعارف:** ماہنامہ ''ناصر'' دہلی،

جلد ۱۰، شمارہ ۸، ۲۰۱۳ء، ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ

۸۔ ہندو محققین کی قرآنی خدمتیں: ماہنامہ ''ناصر'' دہلی، ۲۰۱۴ء

۹۔ بحارالانوار میں پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امام صادق علیہ السلام کی سیرت نگاری: خصوصی شمارہ ''صادق آل محمدؐ'' اہلبیت اسمبلی دہلی، ۲۰۱۵ء

۱۰۔ شہید مطہری: مصلح قوم وملت، مجلہ فکر مطہر، خصوصی شمارہ ۲۰۱۴ء، دہلی

۱۱۔ موسم کشف کا کربلائی رنگ: (یہ جناب امیر حمزہ ثاقب کے شعری مجموعہ پر لکھا گیا ادبی مضمون ہے)، زیر طبع

فارسی مضامین

۱۔ غرفہ ہائے ہند در نمایشگاہ ہائے ایران: ماہنامہ دو ماہہ ''آئینہ ہند'' تہران، انڈین ایمبسی، تہران، شمارہ ۵۸، ماہ جون وجولائی ۲۰۱۴ء

۲۔ مطالعات قرآنی پژوہشگران ہندومذہب: مجلہ آیینہ پژوہش، زیر طبع

۳۔ تاریخ نگاری منہاج سراج جوزجانی در طبقات ناصری: فصلنامہ علمی فرہنگی راہیان آفتاب، سال ۱، شمارہ ۲ و ۳، بہار ۱۳۹۳ش/ ۱۴۳۵ھ۔

۴۔ بررسی آثار و دیدگاہ دکتر اصغر دلبری پور: زیر طبع

اس کے علاوہ وہ مضامین جو ابھی تک شایع نہیں ہوئے ہیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ جغرافیائے تاریخی شہر منصورہ (فارسی) ۲۔ جغرافیائے تاریخی شہر دیبل در دورہ امویان (فارسی) ۳۔ انعکاس دولت امویان در کتاب مروج الذہب (فارسی) ۴۔ نقد و بررسی دیدگاہ حدیثی اگناز گلدزیہر (فارسی) ۵۔ تصحیح بخشی از نسخہ خطی کتاب ''تاریخ بحیرہ'' (فارسی) ۶۔ معرفی کتابہای دود مانی و تک نگاری در بارہ فرمانروایان، در شبہ قارہ (فارسی) ۷۔ کتابشناسی سیرہ نویسی پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم در شبہ قارہ ہندو پاکستان (فارسی)۔

پورہ معروف کے طلاب کرام

ان طلاب کرام کے اسمائے گرامی جو ماضی قریب میں بغرض حصول علم قم مقدسہ یا نجف اشرف تشریف لے گئے ہیں۔

نام	ولدیت	جائے تعلیم	موجودہ صورتحال
مولوی حسین حمزہ	جناب مولانا مظفر نقی	مومنیہ، قم	قم، ایران
مولوی وسیم اصغر	جناب ظہیر الحسن	جامعہ جوادیہ، بنارس	نجف اشرف، عراق
مولوی رضوان عباس	جناب سلمان حیدر	مدرسہ جعفریہ	نجف اشرف، عراق
مولوی محسن رضا	جناب مظہر علی	مدرسہ جعفریہ/ شام	نجف اشرف، عراق
مولوی ارمان حیدر	جناب ظفر حسین	تنظیم المکاتب لکھنو	قم، ایران
مولوی میثم علی	جناب افتخار حسین	جامعہ ایمانیہ، بنارس	مشہد، ایران
مولوی علی نواز	جناب اعجاز حسین	حوزہ علمیہ امام خمینی، گجرات	قم، ایران
مولوی محمد جعفر	جناب ضمیر حسن	مدرسہ جعفریہ کوپا گنج	قم، ایران
مولوی منتظر مہدی	جناب مظہر علی	جامعۃ التبلیغ لکھنو	قم، ایران
مولوی محمد عباس	جناب ابن حسن	مدرسہ عقیلۂ بنی ہاشم	قم، ایران
مولوی معراج العسکری	جناب مولانا محمد نقی		قم، ایران
مولوی حسن عسکری	انجم علی مرحوم	مدرسہ عقیلۂ بنی ہاشم	مشہد، ایران

ذیل میں ان طالب علموں کا ایک مختصر خاکہ تیار کیا ہے جو اس وقت ہندوستان کے مختلف مدرسوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں:

نام	ولدیت	متعلم
ذیشان جعفر	جناب اعظم حسین	مدرسہ بقیۃ اللہ، جلالپور
جعفر طیار	جناب انصر حسین	مدرسہ مہدیہ اعظم گڑھ
محمد زہیر	مولانا شبیہ الحسن	جامعہ حیدریہ، خیرآباد
محمد عاقب	جناب سبطین اصغر	مدرسہ جعفریہ، کوپا گنج
علی قاسط	جناب شہنشاہ حسین	مدرسہ سلطان المدارس
محمد رضا	جناب گوہر علی	جامعہ حیدریہ، خیرآباد
محمد طفیل	جناب ظہیر حسنین	مدرسہ جعفریہ، کوپا گنج
عقیل اختر	جناب شہنشاہ حیدر	جامعہ حیدریہ، خیرآباد
علی محمد	جناب شہنشاہ حیدر	تنظیم المکاتب، لکھنؤ
محمد شاداب	جناب شہنشاہ حسین	مدرسہ سلطان المدارس
محمد آصف	جناب افتخار حسین	جامعہ حیدریہ، خیرآباد
احتشام حسین	جناب محمد حسن	تنظیم المکاتب، لکھنؤ
فیروز عباس	جناب زین العابدین محلہ بلوہ	تنظیم المکاتب، لکھنؤ
عطا عابد	جناب زین العابدین محلہ بلوہ	تنظیم المکاتب، لکھنؤ
رضوان جعفر	جناب محمد انیس	جامعۃ التبلیغ لکھنؤ
مجتبی کاظم	جناب محمد ثقلین	جامعہ حیدریہ، خیرآباد
دبیر حسن	جناب شمیم رضا	علی پور، بنگلور

ذیشان حیدر	جناب شمیم رضا	جامعہ انوار العلوم، الہ آباد
محمد اعجاز	جناب روشن علی (منو)	تنظیم المکاتب، لکھنؤ
منہال عسکری	جناب جوہر علی	تنظیم المکاتب، لکھنؤ
علی امام	جناب مولانا کلب حسن	تنظیم المکاتب، لکھنؤ
محمد شوذب	جناب کلیم اصغر	جامعہ مہدیہ، اعظم گڑھ
حسن عسکری	جناب ناظم علی	جامعہ ایمانیہ، بنارس
اقتدار حیدر	جناب کرار حسین	امام جعفر صادق، جلالپور
محمد صادق	جناب فردوس معظم	حوزہ امام خامنہ ای، سیوان، بہار
محمد قاصد	جناب آغا جرجیس حسن	// //
محمد ابوطالب	جناب مظہر علی	مدرسہ عقیلۂ بنی ہاشم لکھنو
علی محمد	جناب گوہر علی	// //
علی نواب	جناب مہدی حسن	// //
ناظم رضا	جناب دلبر حسنین	// //
حسن اختر	جناب زین العابدین	// //
سید علی	جناب کرار حسین	// //
علی مہدی	جناب کوثر علی	// //
حسن حمزہ	مولانا مظفر نقی	جامعۃ الشہید، دہلی
حسن عباس	جناب مرغوب علی	تنظیم المکاتب، لکھنؤ
محمد صادق	جناب اعجاز حسین	تنظیم المکاتب، لکھنؤ

توضیحاتِ اعلام

توضیحات اعلام کے ذیل میں مدارس اوران مدارس کی اسناد کا مختصر تعارف کرانا مقصود ہے جن کا ذکر اس کتاب میں بار بار آیا ہے تا کہ قارئین حضرات کو کتاب میں موجود مطالب و مفاہیم کے فہم و درک میں کوئی الجھن نہ ہو۔

الف۔ مدارس

۱۔ **مدرسہ معروفیہ:** یہ مدرسہ پورہ معروف میں اہل سنت حضرات کا ایک قدیم مدرسہ ہے جس کا قیام ۱۳۳۰ ہجری مطابق ۱۹۱۲ء میں ہوا تھا۔

۲۔ **مدرسہ اشاعت العلوم:** یہ ادارہ بھی پورہ معروف کے قدیم اداروں میں سے ایک ہے جس کی بنیاد ۱۳۵۶ ہجری میں ڈالی گئی تھی اور آج تک بحسن خوبی چل رہا ہے جس کی بہت سی شاخیں پورہ معروف کے محلوں میں موجود ہیں۔ اس کا تعلق بھی مذہب اہل سنت سے ہے۔

۳۔ **سلطان المدارس و جامعہ سلطانیہ:** لکھنؤ کے میڈیکل کالج چوراہا جگت نرائن روڈ پر واقع شیعہ مذہب کا بہت ہی مشہور و معروف اور قدیم مدرسہ ہے جس کی بنیاد ۱۸۹۲ء میں مولانا سید ابوالحسن رضوی کی مساعی اور کوششوں سے رکھی گئی اور موجودہ پرنسپل مولانا سید محمد صادق رضوی ابن مولانا سید محمد جعفر رضوی مرحوم ہیں۔

۴۔ **مدرسہ ایمانیہ:** شہر بنارس میں شیعہ فرقہ کا قدیم مدرسہ ہے۔ جسے جناب خورشید علی خان نے ۱۲۸۷ھ میں تاسیس کیا اور یہ مدرسہ آج بھی بحسن وخوبی جناب ظفر الحسن حسینی کی نگرانی میں چل رہا ہے۔

۵۔ **مدرسہ جوادیہ:** یہ مدرسہ بھی بنارس کے پرہلاد گھاٹ پر واقع ہے جو جناب محمد سجاد مرحوم کے ہاتھوں ۱۹۲۸ء میں تاسیس ہوا اوران کے بعد مولانا سید ظفر الحسن نے اسے ترقی دی اور آج یہ مدرسہ مولانا سید شمیم الحسن کی نگرانی میں چل رہا ہے۔

۶۔**جامعۃ التبلیغ:** یہ مدرسہ مولانا میرزا محمد عالم مرحوم کی کوششوں کے نتیجے میں لکھنؤ کے مصاحب گنج میں ۱۹۷۵ء کو تاسیس ہوااوراس وقت ان فرزند مولانا مرزا رضا عباس کے زیر نگرانی چل رہا ہے۔

۷۔**جامعہ حیدریہ:** خیرآباد ضلع مئو میں واقع اس مدرسہ کی بنیاد ۱۹۸۸ء میں مولانا ناظم علی خیرآبادی کے ہاتھوں رکھی گئی جسے مولانا نے بحسن وخوبی وسعت دی اور آج یہ مدرسہ ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور موجودہ وقت میں مدرسہ کی سرپرستی مولانا کے فرزند اکبر مولانا منہال رضا کے ہاتھوں میں ہیں۔

۸۔**مدرسہ جعفریہ:** مدرسہ ھذا کوپا گنج ضلع مئو کے محلہ بازید پورہ میں واقع ہے، جس کی بنیاد مولانا شبیر حسن نجفی مرحوم کے ہاتھوں ۱۹۸۲ء میں رکھی گئی جو آجکل مولانا خیرات الحسنین کی ادارت میں چل رہا ہے۔

۹۔**جامعہ انوار العلوم:** یہ مدرسہ الہ آباد میں واقع ہے جس کی تاسیس ۱۹۸۸ء میں مولانا سید ذیشان حیدر جوادی نے رکھی جس کے موجودہ پرنسپل جناب مولانا سید جواد الحید رہیں۔

۱۰۔**جامعہ امامیہ تنظیم المکاتب:** شہر لکھنؤ میں یہ براعظم ایشیاء کا ایک ایسا کثیر المقاصد دینی وتعلیمی ادارہ ہے کہ اس کے بغیر ہندوستان کی دینی وتبلیغی تاریخ مکمل ہی نہیں ہوسکتی۔اس ادارے کو ۱۹۸۳ء میں مولانا غلام عسکری نے قائم کیااور ادارے نے بہت کم وقت میں مثالی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دن دگنی رات چوگنی ترقی کی۔اس کا نیٹ ورک ہندوستان، پاکستان اور کشمیر سمیت ایشیاء کے طول وعرض میں پھیلا ہوا ہے۔جس کے تحت ۱۱۹۷ مکاتب چلتے ہیں۔یہاں کی ڈگری ''مبلغ'' نام سے دی جاتی ہے۔

۱۴۔**جامعہ ناظمیہ:** شہر لکھنؤ کے نخاس مارکیٹ، شیعہ کالج کے پیچھے واقع ہے جس کی تاسیس ۱۸۹۰ء میں مولانا سید نجم الحسن کے ذریعہ ہوئی جس کے موجودہ پرنسپل مولانا فرید الحسن ابن مولانا حمید الحسن ہیں۔

۱۵۔**جامعۃ الشہید دہلی:** اس مدرسہ کی بنیاد امامبارہ پنجہ شریف میں ۲۰۰۱ء کو مولانا سید علی نقوی کے ہاتھوں رکھی گئی جس کے موجودہ مدیر سید محمد علی محسن نقوی ہیں۔

۱۶۔**مدرسۃ الواعظین:** یہ مدرسہ لکھنؤ میں واقع ہے جسے ۱۹۱۹ء میں جناب سید نجم الحسن، راجہ محمود آباد اور محمد علی محمد خان نے ہندوستان کے شیعہ مدارس سے فارغ ہونے والے طالب علموں کو مناظرہ اور کلامی

بحثوں اور خطیب بنانے کی غرض سے قائم کیا تھا جس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

۱۷۔ **مدرسہ باب العلم:** یہ مدرسہ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ میں ۱۹۲۹ء کو جواد حسین مرحوم اور بعض نیک افراد کی کوششوں کے نتیجے میں تاسیس ہوا جس کے موجودہ پرنسپل مولانا ظہور المصطفی کوپا گنجی ہیں۔

۱۸۔ **مدرسہ عقیلہ بنی ہاشم:** یہ مدرسہ لکھنؤ میں چلنے والا دینی ادارہ ہے جس کی بنیاد ۲۰۰۴ء میں حوزہ امام حسین علیہ السلام کے نام سے سیریا (شام) جوار سیدہ زینب میں رکھی گئی تھی لیکن ۲۰۱۲ء میں وہاں کے حالات خراب ہونے کے سبب اس مدرسہ کو ہندوستان منتقل کر کے اسے عقیلہ بنی ہاشم کا نام دیا گیا۔ یہ مدرسہ جناب شبیر حسن زینبی اور جناب وزیر حسن کی کوششوں اور مساعی سے وجود میں آیا اور آج بھی انہیں حضرات کے زیر نگرانی بحسن وخوبی چل رہا ہے۔

۱۹۔ **جامعۃ المصطفی العالمیہ:** ایران میں المصطفی نام کی یہ ایک یونیورسٹی ہے جو شہر قم میں واقع ہے۔ اس یونیورسٹی کے تحت ایران کے بڑے بڑے شہروں میں بہت سے اسکول اور مدرسے جاری ہیں۔ جہاں علوم دین حاصل کرنے کے لئے دنیا بھر سے طالب علم بغیر کسی قید مذہب وملت آتے ہیں جہاں ان کے رہائش کا باقاعدہ انتظام کیا جاتا ہے۔ اور اسلام کے مختلف موضوعات مثلاً قرآن وحدیث، اسلامی فلسفہ، کلام، عرفان، حفظ قرآن اور فقہ واصول فقہ وغیرہ جیسے موضوعات پر بی۔اے، ایم۔اے، ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کا کورس کرایا جاتا ہے۔

۲۰۔ **حوزۂ امام خمینی:** یہ مدرسہ ایران کی المصطفی یونیورسٹی کے تحت ہے جو شہر قم میں واقع ہے۔

۲۱۔ **حوزۂ امام خمینی (سیریا):** یہ حوزہ بھی جامعۃ المصطفی یونیورسٹی کی ایک ذیلی شاخ ہے جو جوار سیدہ زینبؑ دمشق مین واقع ہے۔

۲۲۔ **مدرسہ مجتبیہ:** یہ مدرسہ ایران کی المصطفی یونیورسٹی کے تحت ہے جو شہر قم میں واقع ہے۔

۲۳۔ **حوزۂ علمیہ زینبیہ:** ایک اسلامی یونیورسٹی ہے جو دمشق کے جنوب میں تقریباً دس کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ یونیورسٹی ۱۹۷۵ء میں آیت اللہ سید حسن شیرازی مرحوم کے ذریعہ قائم کی گئی ہے، یہاں پر سطوح سے اجتہاد تک تعلیم دی جاتی ہے۔

ب۔اسناد

صدرالافاضل: یہ سلطان المدارس کے آخری کلاس کی ڈگری کا نام ہے۔

سندالافاضل: یہ ڈگری بھی سلطان المدارس کے آخری کلاس سے پہلے طالب علم کو دی جاتی ہے لیکن طالب علم فارغ التحصیل نہیں ہوتا اسے یہاں سے فارغ التحصیل ہونے کیلئے صدرالافاضل کی ڈگری لینا ضروری ہے۔

ممتازالافاضل: یہ جامعہ ناظمیہ عربی کالج لکھنؤ سے سے فارغ التحصیل ہونے والے طالب علم کو اس نام کی ڈگری دی جاتی ہے۔

واعظ: یہ ڈگری مدرسۃ الواعظین لکھنؤ سے فارغ التحصیل ہونے والے طالب علموں کو دی جاتی ہے۔

فخرالافاضل: مدرسہ جوادیہ بنارس سے فارغ ہونے والے طالب علموں کو اس نام کی سند دی جاتی ہے۔

شمس الافاضل: مدرسہ جامعہ ایمانیہ سے فارغ ہونے کے بعد طالب علم کو اس نام کی سند عطا کی جاتی ہے۔

منشی، مولوی، عالم، کامل، فاضل: یہ ڈگریاں یا سندیں الہ آباد بورڈ کے تحت جو طالب علم امتحان پاس کرتا ہے اسے دی جاتی ہیں جسے ہائی اسکول، انٹر اور بی۔اے کے برابر کا درجہ حاصل ہے۔

بی۔اے: یعنی Bachelor of Art یہ ڈگری ہائی اسکول اور انٹر کے بعد ڈگری کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تین سالہ کورس پورا کرنے کے بعد دی جاتی ہے۔

ایم۔اے: Master of Art یہ بی۔اے سے آگے پڑھائی کرنے والے طالب علموں کو پڑھائی مکمل کرنے کے بعد کسی کالج یا یونیورسٹی کی طرف سے تفویض کی جاتی ہے۔

پی۔ایچ۔ڈی: یعنی Doctor of Philosophy یہ ڈگری بی۔اے اور ایم۔اے کا کورس کرنے کے بعد آخری ڈگری پی۔ایچ۔ڈی کی ہوتی ہے جو طالب علم کے متعلقہ موضوع پر کسی ایک یونیورسٹی سے تین یا پانچ سالہ کورس پورا کرنے کے بعد دی جاتی ہے۔

کتابیات

ا۔ کتابیں

۱۔**السبیل:** حصہ اول، ناشر دارالاشاعت انجمن مظلومیہ، پورہ معروف، اعظم گڑھ ۱۴۰۰ھ

۲۔**تاریخ لکھنؤ:** محمد باقر شمس، ناشر احمد برادرس پرنٹرس، ناظم آباد، کراچی ۱۹۷۲ء

۳۔**تحفۃ العالم وذیل التحفۃ:** سفرنامہ وخاطرات، میر عبداللطیف شوشتری، ج ا، ص ۴۱۹، ناشر کتابخانہ طہوری، تہران ۱۳۶۳ شمسی

۴۔**تعلیم ہندوستان کے مسلم عہد حکومت میں ۱۰۰۰ء تا ۱۸۰۰ء:** ایس ایم جعفر، مترجم سعید انصاری، ناشر قومی کونسل برای فروغ اردو زبان، دہلی ۲۰۰۱ء

۵۔**تعلیمی ہند:** مرتبہ اراکین مجلس قاسم المعارف، ص ۵۹، دیوبند یوپی، ۱۳۵۳ھ

۶۔**تذکرہ بے بہا:** محمد حسین نوگانوی، جلد یکم، ناشر خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی ۲۰۱۰ء

۷۔**تذکرہ علمائے مبارکپور:** قاضی اطہر مبارکپوری، ناشر دائرہ ملیہ مبارکپور، اعظم گڑھ، ۱۹۷۴ء

۸۔**جھلکیاں:** مرتبہ مولانا شمیم رضا معروفی، دارالاشاعت انجمن مظلومیہ، پورہ معروف ضلع مئو، اکرام پریس بنارس

۹۔**حیات طاہر:** محمد عثمان معروفی، ناشر مدرسہ معروفیہ پورہ معروف اعظم گڑھ، ۱۹۶۷ء۔

۱۰۔**حضرت مولانا محمد عثمان معروفی اور فنِ تاریخ گوئی:** مولانا اشتیاق احمد قاسمی، ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ ۳۔ ۴، جلد ۹۶، ربیع الثانی، جمادی الاولی ۱۴۳۳ ہجری مطابق مارچ، اپریل ۲۰۱۲ء

۱۱۔**خورشید خاور (تذکرہ علمائے ہندو پاکستان):** مولانا سید سعید اختر رضوی، ناشر معارف پبلیکیشنز، گوپالپور،

باقر گنج، ضلع سیوان، بہار، ۲۰۰۲ء/ ۱۴۲۲ھ

۱۲۔ **دیار پورب میں علم اور علماء:** مولانا قاضی اطہر مبارکپوری، ناشر ندوۃ المصنفین، اردو بازار جامع مسجد دہلی، جمال پرنٹنگ پریس، دہلی ۱۹۷۹ء

۱۳۔ **رجال السند والہند (سندو ہند کی قدیم شخصیات):** مولف قاضی اطہر مبارکپوری، مترجم: مولانا عبدالرشید بستوی، ناشر مکتبۃ خدیجۃ الکبریٰ، اردو بازار کراچی ۲۰۰۵ء

۱۴۔ **سخنوران اعظم گڑھ:** (حصہ اول الف)، قمر الزماں مبارکپوری، جعفری لائبریری محلہ حیدرآباد، سکھٹی گیٹ، مبارکپور، اعظم گڑھ، ۲۰۱۵ء

۱۵۔ **شاہ ولی اللہ وعصر او:** اطہر عباس رضوی، ترجمہ مرکز مطالعات وتحقیقات، نشر مرکز انتشارات دفتر تبلیغات اسلامی، قم ۱۳۷۶ش

۱۶۔ **شیعہ در ہند:** اطہر عباس رضوی، ترجمہ مرکز مطالعات وتحقیقات، نشر مرکز انتشارات دفتر تبلیغات اسلامی، قم ۱۳۷۶ش

۱۷۔ **شیعوں پر کیا گذری:** آغا مہدی، نشر کراچی ۱۹۷۰ء

۱۸۔ **علمائے دیار مشرق:** مولانا ناظم علی خیرآبادی، دستنویس نسخہ (یہ کتاب زیر تالیف ہے)

۱۹۔ **گلدستہ مضامین؛ پورہ معروف: ایک اجمالی تعارف:** اسامہ ارشاد معروفی، ص ۱۶، ناشر المعارف دار المطالعہ، پورہ معروف ۲۰۱۵ء

۲۰۔ **قدیم لکھنؤ کی آخری بہار:** مرزا جعفر حسین، ناشر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، دوسرا اڈیشن ۱۹۹۸ء

۲۱۔ **مآثر الکرام:** غلام علی آزاد بلگرامی، جلد اول، مطبع مفید عام آگرہ، باہتمام محمد قادر علی خان صوفی، ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء

۲۲۔ **مشاہیر کوپا گنج:** محمد عثمان معروفی، ناشر مولانا محمد عثمان معروفی، کرتھی جعفر پور، اعظم گڑھ، کاتب مطیع الرحمن معروفی، حسن پریس دار العلوم روڈ، مئو ۱۹۸۴ء/ ۱۴۰۵ھ

۲۳۔نغمات کوثر: (کوثر معروفی کا شعری مجموعہ)، مرتب اسامہ ارشاد معروفی قاسمی، نشر المعارف دار المطالعہ، پورہ معروف، ضلع مئو، ۲۰۱۶ء
۲۴۔واقعات وحادثات مبارکپو: حسن علی حسن، قلمی نسخہ (یہ نسخہ مولف کے پاس موجود ہے)۔
۲۵۔ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں: ابوالحسنات ندوی، ص ۴۵-۴۶، ناشر روز بازار الیکٹرک پریس ہال بازار، امرتسر
۲۶۔ہندوستان کے مسلمانوں کی سماجی، اقتصادی اور تعلیم حالت: سچر رپورٹ، اردو ترجمہ، فرحت احساس، وزیر اعظم کی اعلی سطحی کمیٹی کا بینہ سکریٹریٹ، حکومت ہند، سردار پٹیل بھون، پارلمینٹ اسٹریٹ، نئی دہلی، نومبر ۲۰۰۶ء
۲۷۔ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر: ڈاکٹر محمد عمر، شائع کردہ: ڈائرکٹر پبلی کیشنز ڈویشن، وزارت اطلاعات ونشریات حکومت ہند، پٹیالہ ہاوس، نئی دہلی ۱۹۷۵ء

28. Final Population of cities and towns by Population Range 2001(including outgrouths)

29. Census of india 2011 :provisinaol population totals, bublished by; office Registar general & census Commissioner, india 2011-cen-book (E)

30. Cole, J.R.I **Roots of North Indian Shiism in Iran and Iraq: Religion state in Awadh**, Berkeley and London, university of California press, 1988.

31. **Education in Muslim India**: by, S.M.Jaffar, published by, idarah I adbiyat I dehli, 2009 ,qasimjan st. dehli 9 ,india,

first edition.

32. Census of India 2011 ،Provisional Population Totals، paper2 ،Volume1 of 2011 ،Rural-Urban Distribution، Uttar Pradesh series 10

33. **AZAMGARH: A Gazzeteer**، volume xxxiii، by: D. L. Drake Brockman، published: newal Kishore press، lucknow 1911

۲۔ مضامین، مجلّات و کتابچے

۱۔ **احکام اموات:** ماخوذ از مفاتیح الجنان، مولانا نفیس الحسن، ناشر نظامی پریس لکھنؤ، مئی ۲۰۰۴ء

۲۔ **پورہ معروف میں عزاداری:** مولانا تفضّل مہدی مرحوم، پندرہ روزہ مجلہ مودت، جلد ا، شمارہ ۳، مالیگاوں ناسک، دسمبر ۱۹۸۲ء

۳۔ **تاریخ اعظم گڑھ:** قاضی اطہر مبارکپوری، مجلہ البلاغ، بمبئی مارچ، اپریل، مئی، جون ۱۹۶۶ء/ ۱۳۸۶ھ۔

۴۔ **خدا کا حکم سبک نہ کرو:** مولانا تفضّل مہدی واعظ مرحوم، دارالاشاعت انجمن مظلومیہ، پورہ معروف ضلع مئو، اکرام پریس بنارس۔

۵۔ **دردمندانہ اپیل:** مولانا تفضّل مہدی واعظ مرحوم، دارالاشاعت انجمن مظلومیہ، پورہ معروف ضلع مئو، اکرام پریس بنارس ۱۹۸۹ء۔

۶۔ **ماہنامہ المجلس:** لندن، مولانا بخاری کا جناب محمد حسن معروفی سے ایک انٹرویو، شمارہ ۹۷، فروری ۲۰۱۴ء

۷۔ **مدارس اسلامیہ، اردو تعلیم کا سب سے بڑا نیٹ ورک:** خوشتر نورانی، ماہنامہ اردو دنیا، مئی ۲۰۱۳ء، ص ۲۸

۸۔مولانا تفضّل مہدی کے چہلم کی مجلس پر ''مولانا تفضّل مہدی: حیات وخدمات کے آئینہ میں'' کے عنوان سے مولانا ابن حسن املوی ومولانا داود املوی کی طرف سے چھپنے والا چار صفحات پر مشتمل پمفلٹ جو اسکرین پرنٹرس، احمد آباد گجرات سے چھپا تھا۔

۹۔**ہندوستانی حوزات علمیہ نمبر:** ناشر تنظیم عسکری، قم، ۲۴/ ذالقعدہ ۱۴۳۰ھ۔مطابق ۱۲/نومبر ۲۰۰۹ء